بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

مولانا سید زوار حسین شاہ رحمہ اللہ یادگاری خطبات کے سلسلے کا چوتھا خطبہ ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے، الحمدللہ اس سلسلے کے اب تک منعقدہ پانچ خطبات میں سے ابتدائی چار خطبات عالم اسلام کی عظیم شخصیت ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمائے تھے۔ پانچواں خطبہ امسال ڈاکٹر سید سلمان ندوی، ساؤتھ افریقہ نے ارشاد فرمایا، جو ان شااللہ ترتیب و تدوین کے بعد ہدیہ قارئین کیا جائے گا، ان شااللہ

اس سے قبل کے سب خطبات علیحدہ علیحدہ کتابی شکل میں پیش کئے جا چکے ہیں اور جلد ان چاروں خطبات کو خطبات کراچی کے زیر عنوان یک جا کتابی شکل میں بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ خطبہ اس سے قبل شش ماہی السیرۃ عالمی کے شمارہ ۲۵ کے گوشہ ڈاکٹر محمود احمد غازی میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

مستشرقین کا موضوع نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ گو آج اردو میں اس موضوع پر خاصی معلومات دست یاب ہیں، مگر اس موضوع کا پھیلاؤ اس قدر ہے کہ اب بھی بہت کچھ کرنا باقی ہے، تاکہ اس موضوع پر پائی جانے والی تشنگی کم ہو سکے۔

اس موضوع کی دوسری اہمیت اس کی حساسیت ہے، یہی سبب ہے کہ اس موضوع کی بعض تحریریں جادۂ اعتدال سے ہٹی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جس علم و فضل سے نوازا تھا، اس کا فیضان یہ بھی تھا کہ موضوع کتنا ہی حساس، اہم، پے چیدہ یا وسیع کیوں نہ ہو ڈاکٹر صاحب کی تحریر و تقریر اس کا احاطہ بھی کمال کے ساتھ کرتی ہے اور افراط و تفریط سے بھی محفوظ رہتی ہے۔ یہ حسن اس خطبے کا بھی حصہ ہے۔

سابقہ دو خطبات اور ڈاکٹر صاحب کی بہت سی موجود غیر مطبوعہ تحریروں کی طرح یہاں بھی یہ افسوس رہے گا کہ ڈاکٹر صاحب کو اس پر نظر ثانی کا موقع نہیں مل سکا، ورنہ یقیناً اس کی شکل مختلف ہوتی اور اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا۔

اس خطبے کو حافظ آغا عبد الصمد نے کاغذ پر منتقل کیا۔ راقم مخدوم مکرم جناب رفعت صاحب کا ممنون ہے، جنہوں نے ذاتی دل چسپی سے اس خطبے کے حواشی و تعلیقات تحریر فرمائے ،جن سے اس خطبے کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ خطبہ بھی ڈاکٹر صاحب نے زبانی ارشاد فرمایا تھا، اور چوں کہ وہ اس پر نظر ثانی بھی نہیں فرما سکے، اس بنا پر اس میں غلطیوں کا امکان ہے، جن کی نشان دہی ہماری معاونت کا باعث ہوگی۔

اللہ تعالیٰ اس تحریر کو قبول فرما کر اسے ڈاکٹر صاحب سمیت ہم سب کے لئے باعث برکت بنائے، آمین۔

سید عزیز الرحمٰن
۲۷ شوال ۱۴۳۲ھ
۲۶ ستمبر ۲۰۱۱ء

چوتھا مولانا سید زوار حسین شاہ رحمہ اللہ یادگاری خطبہ

علمِ سیرت اَور مستشرقین

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

نَحْمَدَہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُولِہِ الْکَرِیْمْ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنْ

قابلِ احترام جناب سیّد فضل الرحمٰن صاحب
برادرِ محترم ڈاکٹر سیّد عزیز الرحمٰن
برادران گرامی، حاضرین محترم!

سب سے پہلے ایک بار پھر میں اِس اِدارے کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے مجھے اپنی گزارشات آپ کے سامنے پیش کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔ آج کا یہ موضوع یعنی مستشرقین اَور سیرت نبوی ﷺ بہت طویل بھی ہے اَور بہت پیچیدہ بھی۔ یہ موضوع مختلف پہلوؤں پر مبنی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ مستشرقین یعنی مغرب کے وہ ماہرین جنہوں نے مشرقی علوم کو بالعموم اَور اِسلامی علوم کو بالخصوص اپنی تحقیق اَور مطالعے کا موضوع بنایا، آج سے نہیں بل کہ ایک ہزار سال سے ہمارے اِسلامی علوم وفنون کو اپنی تصنیف وتالیف اَور تحقیقی مطالعے کا موضوع بنائے ہوئے ہیں۔

آج سے تقریباً بارہ سوسال پہلے شام کے ایک مشہور مسیحی عالم یوحنّا دمشقی (۱) نے اِسلامی علوم وفنون کو اپنی دِل چسپی کا موضوع بنایا تھا۔ وہ پہلا مسیحی عالم تھا جو اگر چہ مغربی نہیں تھا

،شام کا رہنے والا تھا، لیکن اُس کی تحقیقات کا اِستشراق میں بڑا اہم مقام حاصل ہے۔ اُس نے اِسلام کے بارے میں جو کچھ لکھا، قرآن مجید کے بارے میں جو کچھ لکھا اَور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ ایک طویل عرصے تک مغربی ماہرین اَور مغربی اہلِ علم کے لئے بہت بڑا ماخذ و مصدر رہا۔ اُس کی تحریروں کا لاطینی زبان میں ترجمہ بھی ہوا۔ لاطینی زبان سے دوسری مغربی زبانوں میں اُس کے خلاصے ہوئے اَور جو تصورات اُس نے قائم کئے تھے، جن خیالات کا اُس نے اِظہار کیا تھا، اُنہوں نے ایک طویل عرصے تک مغرب کے اہلِ علم کو متاثر کیا۔ اَور وہ غلط فہمیاں یا شکوک و شُبہات جو یوحنا دمشقی نے پیدا کئے تھے، طویل عرصے تک دُہرائے جاتے رہے۔

یوحنا دمشقی شام کا رہنے والا تھا۔ شام پر کئی سو سالوں سے عیسائیوں کی حکومت تھی۔ مشرقی رومن ایمپائر کا یہ انتہائی اہم صوبہ تھا اَور جب سے رومن ایمپائر نے مسیحیت کو اپنا سرکاری مذہب قرار دیا تھا، اُس وقت سے شام کا پورا علاقہ اُن کے لئے مقاماتِ مقدّسہ کی حیثیت رکھتا تھا (۲)۔ سیّدنا اسحاق علیہ السلام شام میں پیدا ہوئے۔ سیّدہ مریم کا تعلّق شام سے تھا۔ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا بڑا حصّہ شام میں گزرا۔ مسیحیت کے اِبتدائی اثرات شام میں سامنے سامنے آئے۔ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین میں سے اکثر کا تعلّق شام سے تھا۔ اِس لئے ارضِ شام کو مسیحیوں کے مذہبی نظام میں ایک بہت مقدّس مقام حاصل تھا اَور ایک طویل عرصے تک ان کی وابستگی شام اَور اہلِ شام سے وُہی تھی جو ایک عام مسلمان کو حجاز یا مدینہ منورہ سے ہوتی ہے۔

پھر جب مسلمانوں نے سیّدنا عمر فاروقؓ کے زمانے میں شام کو فتح کرلیا اَور اہلِ شام کی بڑی تعداد نے اِسلام قبول کرلیا۔ وہاں بڑے بڑے مراکزِ اِسلام اَور اسلامی علوم کے قائم ہوگئے تو ایک مشرقی ملک کے رہنے والے مسیحی عالم کے دِل میں جو نفرت ہوسکتی ہے یا نفرت کا لفظ اگر صحیح نہ ہو تو جو ایک دُکھ اَور تکلیف ہوسکتی ہے، وہ واضح ہے۔ یوحنا دمشقی کی تحریروں میں وہ نفرت، وہ دُکھ اَور تکلیف اَور اپنی قدیم تاریخ کے زوال کا احساس اِنتہائی نمایاں ہے۔ اِس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ اُس نے جن خیالات کا اِظہار کیا، اُن میں حقائق کتنے ہیں؟ دیانت دارانہ غلط فہمی کا عنصر کتنا ہے؟ ذاتی نفرت اَور کینہ پروری کا عنصر کتنا ہے؟ اِن تمام

عناصر نے مل جل کر یوحنا دمشقی کی تحریروں میں جگہ پائی اَور اُس کی تحریروں کے ذریعے یہ زہر پوری مغربی دُنیا میں پھیلا۔ مغربی دُنیا اُن سے متاثر ہوئی اَور مغربی دُنیا نے ان خیالات اَور تصورات کو نہ صرف اپنایا بل کہ ان تصورات کو نمک مرچ لگا کر مزید مصالحوں کے ساتھ آگے پھیلایا۔

بہت جلد صلیبی جنگوں کا دَور آ گیا اَور دوسو سال کا یہ طویل دَور جو مسلمانوں اَور مسیحیوں کے درمیان ایک طویل محاربے اورلڑائی کا دَور ہے، ایک شدید کشمکش کا دَور ہے۔ وہ اِس نفرت اَور غصّے میں مزید اِضافے اَور مزید شدت کا باعث بنا۔ اور غصّہ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت وکینہ پروری بڑی حد تک بہت سے اہلِ مغرب کی نفسیات کا حصّہ بن گئی۔ یہ الفاظ میں نے بہت احتیاط سے استعمال کئے ہیں۔ ممکن ہے بعض اہل مغرب ایسے ہوں جن کی نفسیات میں یہ چیز شامل نہ ہو، اِس لئے اِس رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

نفرت کینہ پروری اور غصے پر مبنی مستشرقین کی وہ نفسیات آج تک چلی آ رہی ہے۔ اگر آپ کو جارج بُش (George W. Bush) کی وہ تقریر یاد ہو جو اُس نے گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو کی تھی، جس میں اُس نے ''کروسَیڈ'' (Crusade) کا لفظ استعمال کیا تھا۔ تو آپ کو موجودہ دور کی اس نفرت کا کسی حد تک اندازہ ہوسکتا ہے۔ بعد میں اُنہوں نے اُس کی تاویلیں کیں، اِس لفظ کو واپس لیا، لیکن شدید غم وغصّے کے عالم میں جو بات اِنسان کے دماغ سے نکل جائے، اور زبان سے ادا ہو جائے وہ اُس کی نفسیات کی عکاسی کرتی ہے۔ سوچ سمجھ کے اَور سفارتی گفت گو کرنا تو آسان ہے، اُس میں انسان کے مزاج اَور نفسیات کا پتہ نہیں چلتا لیکن شدید غم وغصّے کے عالم میں جو بات کہی جائے، اُس کے ذریعے انسان کا اندرون پورے طَور پر سامنے آتا ہے۔ دوسری بات یہ یاد رکھیں کہ یوحنا دمشقی کے خیالات جیسے بھی تھے، صلیبی جنگوں کی وجہ سے اُس میں جو مزید شدت پیدا ہوگئی اَور صلیبی جنگوں میں جب بالآخر اُن کو شکست ہوگئی اَور پونے دوسو سال کا قبضہ یا پونے دوسو سال کی یہ کاوِشیں ناکام رہیں اَور اللہ تعالیٰ، اعلیٰ سے اعلیٰ درجات عطا فرمائے، صلاح الدین ایوبیؒ کو جن کے ہاتھوں اللہ نے یہ کامیابی عطا فرمائی تو یہ سلسلہ دراز ہوگیا۔

صلاح الدین ایوبیؒ سے اہلِ مغرب کی نفرت کا کیا حال ہے؟ اِس کا بھی شاید آپ کو اندازہ ہو۔ جب فرانسیسی پہلی مرتبہ انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں شام میں آئے اَور اُن کی فوجیں فاتحانہ داخل ہوئیں اَور فرانسیسی جنرل جب دمشق آیا تو اُس نے پوچھا کہ ''سلاڈین کی قبر کہاں ہے؟'' پھر صلاح الدین کی قبر پر پہنچا اَور پاؤں سے ٹھوکر مار کر کہا کہ

Saladin, we are back

صلاح الدین ہم واپس آ گئے ہیں۔(۳)

گویا اُس نے اُس فرانسیسی قبضے کو اِس قبضے کا تسلسل قرار دیا جو صلیبی جنگوں کے دَوران ہوا تھا اور جس کو صلاح الدین ایوبیؒ نے بالآخر ختم کیا۔ اِس ایک چھوٹے سے واقعے سے مغربی ذہن اَور نفسیات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

صلیبی جنگوں کے کچھ ہی عرصے بعد یورپ کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں ختم ہوگئیں۔ اُس کے بہت سے اسباب ہیں۔ مجھے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، پھر وہاں وہ ریاست قائم ہوئی جس کو ''مقدس رومی سلطنت'' Holy Roman Empire کہا جاتا ہے۔ یہ حکومت پہلے سے قائم تھی لیکن اب اس کو جو اقتدار اَور جبروت حاصل ہوا، وہ یورپ کی تاریخ میں پہلے کبھی حاصل نہیں تھا۔ اب مقدس رومن ایمپائر جس کا مرکز روم میں تھا عملاً پورے یورپ پر حکم ران تھی۔(۴) اور یورپ پر حکم رانی کے ساتھ ساتھ دُنیائے مسیحیت کی سب سے بڑی عبادت گاہ بھی تھی، مذہب کا سب سے بڑا مرکز تھی اَور اِس ریاست کا سربراہ یعنی پاپائے اعظم، سیّدنا مسیح علیہ السلام کا جانشین سمجھا جاتا تھا۔ جانشین سے مسلمانوں کی خلافت قسم کی چیز نہ سمجھئے گا۔ وہاں جانشین کے معنی اَور ہیں۔ آج، اِس وقت بھی پاپائے اعظم کو مسیحیت میں ہر قسم کی ترمیم و تنسیخ کا اختیار حاصل ہے۔ یہ بات بہت کم مسلمانوں کو معلوم ہے کہ اُن کے عقیدے کے مطابق پاپائے اعظم وہی اختیارات رکھتا ہے جو اختیارات سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہیں۔ وہ جب چاہے، جس وقت چاہے بائبل میں بھی تبدیلی کر سکتا ہے اَور ہر دَور میں کوئی نہ کوئی پوپ (Pope) یہ ترمیم کرتا رہا ہے۔ اگر آپ کا کبھی اسلام آباد جانا ہو تو وہاں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی یونیورسٹی میں ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری ہے، اُس میں بائبل کا ایک نسخہ رکھا ہوا ہے جو سولھویں صدی عیسوی کے اواخر کا چھپا ہوا ہے اَور روم کا چھپا ہوا ہے۔ یہ نسخہ لاطینی (Latin) زبان میں ہے۔

اِس نسخے میں بائبل کی سات ایسی آیات ہیں جو بعد میں نکال دی گئیں اَور پوپ گریگوری ہفتم (Gregory VII) کے حکم سے نکالی گئیں۔ یہ پوپ گریگوری ہفتم وہی پادری ہے جس کے نام سے گریگورین کلینڈر(Calendar Gregorian) ہے جو آج سب جگہ مروج ہے (۵)۔ اِسی گریگوری ہفتم نے سات آیتیں بائبل سے نکال دی تھیں، وہ آیتیں اِس نسخے میں لکھی ہوئی ہیں، جو ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی یونیورسٹی کی ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری میں موجود ہے۔ یہ اختیار مسلمانوں کے سارے خلفا کو مل کر بھی کبھی حاصل نہیں رہا۔ قرآن پاک تو بڑی چیز ہے، کسی ضعیف سے ضعیف حدیث کو صحیح قرار دینا یا کسی صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینا بھی اُن کا اختیار نہیں تھا۔ اُن کو یہ بھی اختیار نہیں تھا کہ کسی ایک مفتی کے کسی فتوے کو غلط قرار دے کر واپس لے لیں۔ کسی مفتی نے اپنے اجتہاد سے کوئی فتویٰ دیا ہو اور وہ اُسے کالعدم قرار دیں یا تبدیل کر دیں۔ یہ اختیار کسی بھی مسلمان حکمراں کو حاصل نہیں رہا۔ اِس لئے مسلمانوں کے لئے جب خلافت کا لفظ بولا جائے تو اُس کے معنی اَور ہوتے ہیں، عیسائیوں کے ہاں جانشینی کے معنی اَور ہیں۔ اِس لئے مسیحیت وہ ہے جو پوپ قرار دے۔ رومن کیتھولک فرقے کے نزدیک مسیحیت سے مراد وہ ہے جو پوپ تسلیم کرے اور پوپ قرار دے (۶)۔ اگر آج پوپ قرار دے کہ بائبل کے ''عہدنامہ جدید'' New Testament کی فلاں فلاں کتابیں یا آیات منسوخ ہیں تو وہ کل سے منسوخ ہو جائیں گی، اور بائبل کے نسخوں سے نکال دی جائیں گی۔ پچھلے پوپ نے جس کا انتقال ہو چکا ہے، کہا تھا کہ میں یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل سے بری الذمّہ قرار دیتا ہوں، چناں چہ آج یہودی اس جرم سے بری الذمّہ ہیں۔ اِس طرح پوپ کو اِس قدر اختیار حاصل ہے کہ وہ تاریخ بدل سکتا ہے۔ دو ہزار برس تک عیسائی یہ کہتے رہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو پھانسی دی تھی، یہودیوں نے انہیں قتل کیا تھا۔ خود یہودی کہتے تھے:

انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ

لیکن پوپ نے یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل سے بری الذمّہ قرار دے دیا، اَور وہ بری الذمّہ قرار پائے (۷)۔ پوپ نے اسلام کے خلاف اپنے اس اختیار کو پورے طَور پر استعمال کیا اور دنیائے اِسلام کے خلاف پوری مسیحیت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب اسپین سے مسلمان نکل رہے تھے اور سلطنت عثمانیہ، مشرقی

یورپ میں اپنی جگہ بنا رہی تھی، مسیحیوں کا خیال تھا کہ جتنی آسانی سے انہوں نے اسپین سے مسلمانوں کا نکال دیا ہے، اُتنی ہی آسانی سے وہ سلطنت عثمانیہ کا راستہ روک دیں گے۔ چناں چہ انہوں نے ۱۴۹۲ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک مسلسل ترکوں کے خلاف جنگیں لڑیں اور اُن کو مشرقی یورپ سے نکالنے کے لئے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ لیکن آغاز کے دو، تین سو سال عثمانیوں کے عروج کے سال تھے، انہوں نے مشرقی یورپ کے پورے حصّے پر قبضہ کیا، یورپ کے وسط تک پہنچے، ویانا کا محاصرہ کیا۔ یہ بات ہمارے موضوع سے متعلّق نہیں ہے لیکن جس لمحے بایزید یلدرم ویانا کا محاصرہ کئے ہوئے تھے (۸)، اُسی لمحے تیمور نے پیچھے سے حملہ کیا اور ترکی مقبوضات کو ایک ایک کر کے ختم کرنا شروع کیا، جس کا دِفاع کرنے کے لئے بایزید یلدرم کو وہاں سے محاصرہ اُٹھا کر واپس آنا پڑا، اور بالآخر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ علاقہ نہ تیمور کے ہاتھ رہا، نہ عثمانیوں کے ہاتھ رہا۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ میں مسلمانوں کی پیش رفت رُک گئی، اس کے بعد مسلمان ایک قدم بھی آگے نہیں جا سکے۔ یہ جو زمانہ تھا جب مسلمان ویانا تک پہنچ رہے تھے تو ترکوں کو یہ خیال تھا کہ مسلمان بہت جلد پورے یورپ پر قبضہ کرلیں گے اور یورپ کو عیسائیت کے بہ جائے اسلام کے مرکز میں تبدیل کر دیں گے۔

چناں چہ اُسی زمانے میں بڑے پیمانے پر کتابیں لکھی گئیں، نظمیں لکھی گئیں ادبیات کے مجموعے لکھے گئے اور اِن تمام کتابوں، نظموں اور ادبیات کے مجموعوں میں جو جو خرافات کسی اِنسان کے دِماغ میں آسکتی ہیں وہ سب گھڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کی گئیں۔ بعض ایسے ایسے مضحکہ خیز اور افسوس ناک قسم کی خرافات کہ میں کیا کہوں! خرافات کا لفظ بھی اس کے مقابلے میں ہلکا ہے، بہتان کا لفظ بھی ہلکا ہے۔ لفظ نہیں ملتا کہ اِس جسارت اور گستاخی کو کس لفظ سے ادا کیا جائے۔ جو چیزیں گھڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کی گئیں، وہ خرافات اور بہتان سے سے بڑھ کر ہیں۔ (۹)

یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ کوئی عبارت کسی عربی کتاب میں لکھی ہو اور اُس کا غلط مفہوم بنا کر بیان کر دیا جائے، اُس کے سمجھنے میں غلطی ہو جائے، ترجمہ غلط کرلیا جائے، کسی بات کا مفہوم یا تعبیر غلط کر دی جائے۔ مگر ان خرافات کا حال تو نہایت عجیب وغریب ہے۔ اس زمانے کی ایک کتاب میں لکھا تھا، جو سوڈیڑھ سو برس تک نقل ہوتا رہا کہ رسول اللہ ﷺ نے

(نقل کفر، کفر نہ باشد) یہ تو کفر سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے (نقل سفاہت، سفاہت نہ باشد)، ایک کبوتر کو سدھایا ہوا تھا، وہ کندھے پرآ کے بیٹھ جاتا اَور آپ ﷺ خاموشی سے چنے کا یا کسی اَور چیز کا ایک دانہ کان میں رکھ لیا کرتے اور کبوتر دانے کو کھانے کے لئے چونچ کان میں ڈالا کرتا تھا تو آپ ﷺ، صحابہ ؓ سے کہتے تھے کہ یہ ایک فرشتہ ہے، جو اللہ کی طرف سے آیا ہے اَور میرے کان میں وحی ڈال رہا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ کہنا ہوتا تھا، لوگوں سے کہہ دیا کرتے تھے۔ اب سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ یہ بات ابلیسی ذہن کی پیداوار ہے، اَور کیا کہا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبوتر نہیں پالا۔ اتفاق ہے کہ یہ روایت ملتی ہے کہ گھر میں بلّی تھی، یہ بھی روایتیں موجود ہیں کہ گھر میں بکری تھی، یہ بھی روایت ہے کہ اونٹ موجود تھے، مختلف طرح کی روایتیں ہیں، مرغی کی روایت موجود ہے کہ گھر میں تھی۔ لیکن کوئی ایسی جھوٹی سچی روایت موجود نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دولت کدے میں کوئی کبوتر پلا ہوا تھا۔ لیکن یہ بات کس کے دِماغ میں آئی؟ اُس نے کیا سوچ کر گھڑی اَور لکھی؟ یہ کسی کے علم میں نہیں۔ پھر یہ روایت مستشرقین ڈیڑھ سو برس تک بیان کرتے رہے۔ اس پورے دَور میں یعنی گویا ۱۴ویں اور ۱۵ویں صدی عیسوی سے لے کر ۱۸ویں صدی عیسوی تک تقریباً چار پانچ سو سال کا عرصہ ہے، اس میں کوئی گند، کوئی خرافات، کوئی بد سے بد الزام ایسا نہیں تھا جو (نعوذ باللہ من ذالک) ذاتِ رسالت مآب ﷺ پر نہ لگایا گیا ہو۔ ان الزامات کو دہرانے کی اور اس کا خلاصہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اِس لئے کہ کوئی مسلمان نہ اسے بیان کرنا چاہتا ہے، اور نہ اسے سننا چاہتا ہے۔ لیکن اخلاقی اور بدترین قسم کے الزام جو کسی انسان کے بارے میں سوچے جاسکتے ہیں اور کسی پر لگائے جاسکتے ہیں، وہ لگائے گئے۔ ہر کتاب کو پڑھنے والے بھی ہوتے ہیں۔ عربی کی مثل ہے:

لکل ساقطة لا قطة

ہر گری ہوئی چیز کو اُٹھانے والے ہوتے ہیں۔

اس لئے اِن چیزوں کو پڑھنے والے بھی ہوں گے، اِن باتوں کو ماننے والے بھی ہوں گے، اِن چیزوں کو صحیح سمجھنے والے بھی ہوں گے۔ اِس طرح ہوتے ہوتے خاص انداز کے مغربی تصورات پیدا ہوگئے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے ادیبوں نے، ایسے بڑے ادیبوں نے

جن کی ادبی عظمت واقعی نا قابلِ اختلاف ہے، ایسے ایسے خیالات کا اظہار کیا کہ حیرت ہوتی ہے۔ دانتے الیگری Dante Alighieri، جس کے بارے میں ہر پڑھے لکھے آدمی نے کچھ نا کچھ پڑھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ۱۵ ویں صدی عیسوی میں غالبًا اطالوی زبان کا سب سے بڑا ادیب اور شاعر تھا۔ اتنا بڑا ادیب اَور شاعر کہ ہر ادبیاتِ عالم میں اس کو ایک مقام دیا جاتا ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی ہے۔ اُردو میں بھی ہے۔ ''طربیہ خداوندی'' Divine Comedy۔ اس ڈِوائن کامیڈی میں اُس نے ایک روحانی سفرنامے کا تذکرہ کیا ہے۔ علّامہ اقبال کا خیال ہے اور بہت سے مغربی مصنفین کو بھی اِس سے اتفاق ہے کہ روحانی سفرنامے کا یہ خیال مسلمانوں میں معراج کی روایات کو دیکھ کر اُس کے دِل میں پیدا ہوا۔ اُس نے مسلمانوں کی معراج والی روایات کا پڑھا ہوگا، اُس سے اُس کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنا ایک روحانی سفرنامہ مرتب کرے۔ جس طرح کا روحانی سفرنامہ شیخ محی الدین ابن العربی کا ہے۔ شیخ محی الدین ابن العربی بھی اسپین کے رہنے والے تھے، اسپین کے لوگ اُن کے نام سے واقف تھے، اُن کی تحریروں سے بھی ناواقف نہیں تھے، اِس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ شیخ محی الدین ابن العربی کی تحریروں سے بھی واقف ہو۔ معراج کی روایات سے وہ یقینًا واقف تھا۔ اُس نے ایک سفرنامہ لکھا، اِس سفرنامے میں جو بات اِنتہائی دُکھ اَور افسوس کی ہے کہ اگر مسلمانوں میں کوئی شخص معراج کی روایات سے واقف ہو، اگر کوئی شخص شیخ محی الدین ابن العربی کی تصانیف سے واقفیت رکھتا ہو تو وہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں اِتنا گستاخ اَور اِتنا غیر ذِمّے دار ہو، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس کے دِل میں جو جمی ہوئی اَور گہری جگہ پائی ہوئی نفرت اَور عداوت تھی، اُس کا اِظہار ہوا۔ اُس نے اپنے روحانی یا تصوراتی سفرنامے میں بیان کیا کہ میں جنت میں بھی گیا، دوزخ میں بھی گیا اور وہاں اُس نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو گند اُس کے دِماغ میں تھا، وہ بیان کر دیا۔ (۱۰)

والٹیئر Voltaire جو مشہور فرانسیسی شاعر ہے۔ اُس کے ڈراموں میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کا تذکرہ ہے اَور اِتنے منفی انداز میں ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اِتنا پڑھا لکھا شخص جو ادبیات کی تاریخ میں اِتنا اونچا مقام رکھتا ہے، اس قدر گھٹیا سوچ کا حامل

ہے؟ ادبیاتِ عالم میں والٹیئر کا مقام بہت اونچا مانا جاتا ہے،فرانسیسی زبان کے بڑے شاعروں میں سے ہے، بڑے ادیبوں میں سے ہے اور دُنیا اُس کو مانتی ہے۔لیکن اُس نے وہ سارے الزامات دُہرائے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اب تک مغربی دُنیا لگاتی چلی آ رہی ہے۔ والٹیئر کی اُس کتاب یا ڈرامے کو اِتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اُس کے دَور کے پوپ نے اُس کو ایک خط لکھا کہ آپ نے بڑی زبردست اور شان دار کتاب لکھی ہے اور میں آپ کو اس پر مُبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی تک پوپ اور مغرب کی مذہبی دُنیا کا کیا حال تھا۔(۱۱)

لوتھر (Martin Luther) کا لوگ بڑی عزت سے ذِکر کرتے ہیں۔لوتھر ایک مغربی مصلح ہے۔ پروٹسٹنٹ (Protestant) فرقہ کا بانی ہے۔مسیحیت کی تاریخ میں اِصلاحِ مذہب کا بہت بڑا علم بردار ہے۔ اِصلاحِ مذہب کی ساری تاریخ لوتھر سے شروع ہوئی۔(۱۲) لوتھر کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اِسلامی ادبیات سے واقف تھا اور اُس نے جن اِصلاحات کی دعوت دی وہ اِسلامی تعلیم سے متاثر تھیں،لیکن اِس کے باوجود لوتھر کی تحریروں میں رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے وہی خرافات دُہرائی گئی ہیں جو چھ سات سو سال سے دُہرائی جاتی رہی ہیں۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں گستاخانہ فقرے کثرت سے ظاہر کرتا ہے اور وہی ساری پرانی باتیں دُہراتا ہے۔ اِصلاحِ مذہب کی دعوت کے ساتھ ساتھ یہ بات بڑی عجیب اور حیرت انگیز ہے کہ جن اِصلاحات کی وہ دعوت دیتا ہے وہ بعینہٖ وہی اِصلاحات ہیں جو دُنیا میں سب سے پہلے اِسلام نے عطا فرمائیں۔ یہ بات کہ اللہ اور بندے کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ بہ راہِ راست اپنے بندے کی سُنتا ہے۔ یہ بات کہ آسمانی کتابوں کی تعبیر وتشریح کا حق کسی شخص کو پیدائشی طَور پر حاصل نہیں ہے۔ یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سارے بندے برابر ہیں۔ یہ تعلیمات، اِسلام نے پہلی مرتبہ دُنیا کے سامنے رکھیں۔ یہ باتیں وہ دُہراتا ہے،لیکن نفرت انگیز ماحول جو اہلِ مغرب نے پیدا کر دیا تھا اِس سے وہ پوری طرح متاثر ہوتا نظر آتا ہے۔

یہ چھ سات سو سال کا وہ دَور ہے،جس کے بارے میں اہلِ مغرب کہتے ہیں کہ وہ تحقیق اور مطالعے پر مبنی نہیں تھا،اِس حد تک تو وہ مانتے ہیں۔ اب تحقیق اور مطالعے کا زمانہ

شروع ہوا، وہ بھی آپ دیکھ لیجئے۔ یہ وہ تحریک ہے جس کو اب مستشرقین کی تحریک کہا جاتا ہے۔ مستشرق یعنی مشرقی بننے والا، استفعال عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے، جس میں مادّے کا حصول اَور طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی بہ طلب مشرقی بننے والا۔ یعنی مغرب کا وہ عالم جو مشرقی بننا چاہے اَور مشرقی بن کر مشرقی علوم وفنون کو حاصل کرے۔ مستشرقین کا زمانہ، استعمار کے ساتھ ساتھ شروع ہوا۔ یہ بات کوئی شخص ماننے سے انکار نہیں کرسکتا کہ استعمار اَور استشراق کا آغاز ایک ساتھ ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی تکمیل کی، ایک دوسرے کی تائید کی۔ استعمار کو ضرورت تھی کہ دُنیائے اِسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرے، دُنیائے اِسلام کے بارے میں پتہ لگائے کہ مسلمانوں کے عقائد کیا ہیں؟ کیا چیزیں اُن کو اچھی لگتی ہیں؟ کیا چیزیں بُری لگتی ہیں؟ تاکہ استعماری طاقتوں کو مسلمانوں سے معاملہ کرنا آسان ہوجائے۔ یہ بات اہلِ مغرب کی ماننی پڑے گی کہ وہ کوئی بھی کام بغیر تیاری کے نہیں کرتے، اَور جو کام وہ کرتے ہیں، مدتوں پہلے اُس کی تیاری کی جاتی ہے۔ بعض اَوقات سوسو سال تیاری ہوتی رہتی ہے اَور پوری تیاری کے بعد وہ کام ہوتا ہے۔ اُس تیاری کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی بھی کارروائی کرنے سے پہلے وہ پورے طَور پر مطالعہ کرکے، غَور وفکر کرکے، ماہرین کو متعین کرکے یہ پتہ لگاتے ہیں کہ مسلمان فلاں بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ فلاں چیز کے بارے میں مسلمانوں کا رویّہ کیا ہے؟ تاکہ جب کوئی پالیسی بنائی جائے تو اَیسی پالیسی بنائی جائے جو قابلِ عمل ہو اَور اُس کے وہ نتائج نکلیں جو وہ نکالنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ استعمار کی تحریک نے استشراق کی تحریک سے پورا پورا کام لیا اَور یہ استعمار کے ہراوّل دستے کے طَور پر سامنے آئے۔ مشنریز Missionaries (مبلغین) بھی اَور مستشرقین بھی۔ جہاں سادہ لوح اَور کم علم لوگ تھے وہاں مشنریز نے لوگوں کو اپنی سرگرمیوں کا نشانہ بنایا اَور جہاں پڑھے لکھے لوگ تھے، وہاں مستشرقین نے کام کرنا شروع کیا۔

مستشرقین کا خیال یہ تھا کہ علم وتحقیق کے نام پر کوئی چیز آئے گی تو بہت آسانی کے ساتھ مسلمانوں دُنیا سے منوائی جاسکے گی۔ چناں چہ سب سے پہلے تو اِن لوگوں میں سے بعض نے سابقہ خرافات کو دُہرایا، لیکن اُس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اِس کے بعد انہوں نے یہ کوشش کی اَور یہ کوشش اٹھارویں، انیسویں صدیوں میں بہت زور وشور سے ہوئی، بڑے بڑے مستشرقین

اِن کوششوں کو لے کے کھڑے ہوئے، آج بھی وہ کتابیں موجود ہیں، مغربی دُنیا اُن کو اپنے فیلڈ Field میدان میں بہت اونچا درجہ دیتی ہے۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ قرآن پاک کے مرتبے ومقام کو مشکوک ٹھیرایا جائے، چناں چہ قرآن پاک کی تاریخ، قرآن پاک کی تدوین وقرأت، قرآن پاک کا رسم الخط، اِن موضوعات پر درجنوں کتابیں شائع ہوئیں اَور بعض بڑے ماہرین نے پوری پوری زندگیاں لگا ئیں۔ نولدیکے ایک مشہور مستشرق ہے۔ (۱۳) جس نے اپنی زندگی کے کم از کم چالیس سال اِس کام پر لگائے کہ وہ قرآن پاک کا مطالعہ کرے اَور مطالعہ کرنے کے بعد اُس نے دوجلدوں پر مبنی قرآن پاک کی تاریخ لکھی۔ لیکن اُن کو یہ اندازہ جلد ہی ہوگیا کہ قرآن پاک اِتنی مضبوط بُنیادوں پر قائم ہے کہ اِن بنیادوں آسانی کے ساتھ ہلایا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا قرآن پاک پر اِس انداز کی تحقیق کم ہوگئی، تھوڑی رہ گئی۔ دوسرے انداز کی تحقیق شروع ہوگئی۔

اِس کے بعد حدیث کو مرکز بنایا گیا، اِس لئے کہ سیرت اَور ذاتِ مبارک ﷺ کا بڑا ذخیرہ، سیرت اَور احادیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ حدیث اَور سیرت کو تو بہت آسانی سے گرایا جا سکتا ہے۔ آپ نے گولڈزیہر (۱۴) کا نام سنا ہوگا۔ یہ اٹھارویں صدی کے اواخر میں ہوا ہے۔ یہ بھی یہودی تھا، جرمن تھا۔ اُس نے طویل مطالعے کے بعد ایک کتاب لکھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ مغربی دُنیا میں گولڈزیہر، مسلمانوں کے ہمدرد کے طَور پر مشہور ہیں۔ اُس کی شہرت ایک مسلمانوں کے ہمدرد کی تھی، مسلمانوں کے دُشمن کی نہیں تھی۔ اِس سے اندازہ کرلیں کہ دوست اگر یہ تھا تو دُشمن کیسے ہوں گے؟ اُس نے علمِ حدیث کو خاص طَور پر اَور علمِ سیرت کو عام طَور پر اپنے مطالعے کا موضوع بنایا اَور وہ باتیں کہیں جو آج تک منکرینِ حدیث پاکستان میں اَور دوسری جگہوں میں کہتے چلے آرہے ہیں۔ ہمارے ہاں اُردو میں منکرینِ حدیث کی بہت سی کتابیں ہیں، ان کتابوں میں کوئی ایک بات بھی نئی نہیں ہے، کوئی ایک دلیل بھی ایسی نئی نہیں ہے جو گولڈزیہر نے نہ لکھی ہو۔ مصریوں میں کئی منکرین حدیث ہوئے، عربی میں کئی لوگوں نے کتابیں لکھیں وہ ساری باتیں دُہرائیں جو گولڈزیہر نے کہی تھیں۔ لیکن کچھ ہی عرصے بعد مستشرقین کو اندازہ ہوگیا کہ علمِ حدیث کو بھی آسانی سے نشانہ نہیں بنایا جا سکتا، اگرچہ گولڈزیہر کے بعد اُس کے تلامذہ نے اس کو آگے بڑھایا۔

جوزف شاخت (۱۵)Joseph Schacht کا نام بھی آپ نے سُنا ہوگا، یہ بھی یہودی تھا، جرمن تھا۔ایک طویل عرصے تک امریکہ میں رہا، انگلستان میں رہا، کیمبرج میں رہا۔اُس نے دو تین کتابیں لکھیں اَور اُس نے احادیث کے احکام کو نشانہ بنایا۔اس کا زور صرف احادیثِ احکام پر تھا اور اُس نے تمام دلائل کو اَور اُس اسلوبِ استدلال کو استعمال کیا جو گولڈ اسمتھ زیہر کا تھا اَور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ احادیثِ احکام سب کی سب جعلی ہیں، فرضی ہیں اَور اُن کا رسول اللہ ﷺ سے کوئی تعلق نہیں۔مسلمان علما نے ایک ایک کر کے اس کا جائزہ کیا اَور ان دلائل کی کم زوری واضح کی۔ جب ان کو یہ اندازہ ہوگیا کہ حدیث کی اِتنی مضبوط بنیاد ہے کہ اِس کو آسانی سے نہیں گرایا جاسکتا تو پھر دوبارہ ان کی توجّہ سیرت پر گئی۔ سیرت پر توجّہ کا آغاز انیسویں صدی کے آخر میں ہو چکا تھا، لیکن بیسویں صدی کے اوائل سے بہت زور وشور کے ساتھ سیرت کا مطالعہ شروع ہوا، اَور ابھی بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

اِس وقت سیرت پر لکھنے والے مستشرقین میں تین گروہ ہیں:

ایک بہت چھوٹی اقلیت تو وہ ہے جس نے واقعی دیانت داری سے جس طرح سیرت کو سمجھا، اُس طرح بیان کر دیا، اَور اُن کی تحریر میں کوئی خابل اعتراض بات ایسی قابل ذِکر نہیں ہے، سوائے اِس کے کہ لکھنے والا عیسائی ہے۔ لکھنے والا اپنا نہیں ہے، پرایا ہے۔ اِس سے کہیں کہیں اسلوب میں یا اندازِ بیان میں کوئی ایسی بات ہو جائے جس سے آپ کو اتفاق نہ ہو، وہ بات اَور ہے لیکن کوئی دانستہ افترا پردازی یا دانستہ شخصیت کو مسخ کرنے کی کاوِش یا دانستہ کوئی منفی پہلو پیدا کرنے کی روش اُن میں نہیں ہے۔ چناں چہ مشہور جرمن خاتون مستشرق جو پاکستان بہت آتی تھی این میری شیمل اُس کی ایک کتاب سیرت پر ہے (۱۶) اور کئی لوگوں کی کتابیں ہیں جن میں انہوں نے بالکل صحیح انداز میں سیرت کو یا اسلامی نقطہ نظر کو بیان کیا ہے۔ یہ تو ایک بہت چھوٹا گروہ ہے۔ چار، پانچ یا دس، پندرہ لوگ ہوں گے۔

ایک بڑا گروہ وہ ہے، جو سیرت کے بارے میں اُتنی معاندانہ رائے تو نہیں رکھتا جو ماضی میں رہی ہے لیکن اُس کا رویّہ دوستانہ بھی نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آج کل سیرت پر کتابیں لکھ رہے ہیں اور سیرت کے واقعات اَور تفصیلات کی اپنی تعبیر کر رہے ہیں۔ان میں بڑا مشہور نام منٹ گمری واٹ Montgomery Watt (۱۷) کا ہے۔ منٹگمری واٹ سیرت پر

لکھنے والوں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔اس کی دو کتابیں بڑی مشہور ہیں:

۱۔محمد ﷺ مکے میں Muhammad at Mecca

۲۔محمد ﷺ مدینے میں Muhammad at Medina

منٹ گمری واٹ کی کسی کتاب میں واقعاتی غلطی تو شاذ ونادر ہوگی، زیادہ نہیں ہے لیکن تعبیریں وہ اپنی کرتا ہے، جب کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو تعبیر اُس کی اپنی کرتا ہے کہ میرے نزدیک اِس سے یہ مراد ہے۔ یہ اسلوب آج کل عام ملتا ہے اور یہ اہلِ مغرب کو بڑا اپیل بھی کرتا ہے۔ کسی کے ذہنی محرکات کے بارے میں رائے دینا، چند واقعات کو سامنے رکھ کر محرکات کو بیان کردینا، یہ اُن کا خاص اسلوب ہے۔ اِس سے جو نتائج وہ نکالتے ہیں وہ اِتنے عجیب اور مضحکہ خیز ہیں کہ اُس پر تبصرہ کرنا بھی مشکل ہے۔ دو مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ وہ عام واقعات سے کس طرح من پسند نتائج کو نکالتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ میدانِ بدر میں تشریف فرما تھے اور یہ اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ بچ کے نکل گیا اور فوج سے مقابلہ ہے تو رسول اللہ نے صحابہؓ سے رائے لی، صحابہ کرامؓ جو ۳۱۳ کی تعداد میں موجود تھے اُن میں سے جو حضرات کھڑے ہوئے، اُن میں سیدّنا ابوبکر صدیقؓ، حضرت مقدادؓ، اور دوسرے صحابہؓ تھے۔ رسول اللہ ﷺ منتظر تھے کہ انصاری صحابہؓ اپنا نقطہ نظر بیان کریں، اِس لئے کہ بیعتِ عقبہ میں جو بات ہوئی تھی وہ یہ کہ ہم آپ کا دِفاع مدینے میں رہ کر کریں گے۔ اُس بیعت میں یہ بات نہیں تھی کہ باہر جا کر بھی دُشمنوں سے جنگ کریں گے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اِنتہائی امانت اور دیانت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے یہ چاہا کہ پہلے اُن کی بھی رائے لیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اشیروا علی یاایھا الناس

آپ حضرات مجھے مشورہ دیں۔

پھر معزز صحابہؓ کھڑے ہوئے، اور اپنے عزم اور وفاداری کا یقین دلایا، مگر آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

اشیروا علی یاایھا الناس

اِس پر ایک انصاری صحابیؓ نے پوچھا کہ آپ ﷺ کی روئے سخن ہماری طرف

ہے؟ پھرانہوں نے یہ کہا کہ ہم حضرت موسیٰ کی قوم کی طرح نہیں ہیں جو یہ کہیں:

اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون(۱۸)

آپ ﷺ ہمیں لے کر سمندر میں بھی کود یں گے تو ہم سمندر میں بھی کود جائیں گے۔ یہ واقعہ اُس نے بیان کر دیا۔اب جو تعبیر کرتا ہے وہ یہ کرتا ہے کہ بعد میں جب حدیثیں لکھی جارہی تھیں، گھڑی جانے کا لفظ نہیں استعمال کرتا، یہ فرق ہے پُرانے اَور آج کے مستشرقین میں، مطلب اس کا بھی یہی ہے،مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے کہ بعد میں جب حدیثیں لکھی جارہی تھیں تو قریشی راویوں نے حضرت ابوبکرصدیقؓ کے مقام کو بلند کرنے کے لئے یہ بات اُن کی زبان سے ادا کروائی، جب مدنی راویوں کا پتا چلا کہ قریشی راوی،حضرت ابوبکرصدیقؓ کی زبان سے یہ تقریر بیان کررہے ہیں،تو مدنی راویوں نے کہا کہ ہم کیوں پیچھے رہیں،ہم اپنے لیڈروں کی زبان سے اُس سے بڑھ کر مؤثر تقریر بیان کریں گے۔ اِس طرح کی تحقیق آج کل ہورہی ہے۔اب پڑھنے والا جو اِسلامی علوم کا متخصص نہ ہو، وہ اس قصے کو شروع سے پڑھے گا تو سمجھے گا کہ یہ تو بڑا معروضی Objective اندازِ تحقیق ہے۔واقعہ سارا بیان ہورہا ہے،حوالہ صحیح بخاری کا، صحیح مسلم کا، سیرتِ ابن ہشام کا، ابن اسحاق کا موجود ہے، لیکن یہ جو بیچ بیچ میں تبصرے ہیں، یہ ان کی جانب سے درمیان میں بیج رکھے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں ہر چیز کا بعد میں انکار ہوسکتا ہے۔

ایک بڑااہم مسئلہ جو پچھلے ستّر ،اسّی سال سے زیر بحث ہے اَور مستشرقین نے اِسے ختم نہیں ہونے دیا۔وہ مآخذِ سیرت کا مسئلہ ہے، کہ سیرت کے مآخذ کیا ہیں؟ مآخذِ سیرت کے بارے میں مستشرقین نے جو کچھ کہا، اُس کی بنیاد خود مسلمانوں کے لٹریچر اَور ادب میں موجود ہے۔سیرت سے متعلّق جو ادب ہے، اُس کا جو سب سے بنیادی حصّہ ہے وہ کتبِ اَحادیث ہے۔اِس کے بارے میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتیں اَور چندایک کے علاوہ مستشرقین نے بھی بالآخر اِس کو تسلیم کرلیا کہ یہ بہت مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔لیکن حدیث کی اِس تدوین کو مانتے ہوئے اَور کتبِ حدیث کی اِس تاریخی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مستشرقین کی بڑی تعداد نے کوشش کی کہ سنّت کو مشتبہ بنایا جائے۔اگر سنّت مشتبہ ہوجائے تو حدیث اگر مستند بھی ہوتو سنّت کے نام سے حدیث کے بارے میں اشتباہ کے جراثیم پیدا کئے جائیں۔چناں چہ

مستشرقین کی بڑی تعداد نے اس تصور کو ختم کرنے کی کوشش کی اور اس کا آغاز جوزف شاخت نے کیا تھا۔ اُس نے لکھا تھا کہ سنّت سے مراد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نہیں ہے بل کہ ہر علاقے میں جو مقامی رواجات تھے اُن کو سنّت کہا جاتا تھا۔ شام کا مقامی رواج وہاں کی سنّت تھا۔ مدینہ کا رِواج وہاں کی مقامی سنّت تھا۔ عراق کا رِواج وہاں کی مقامی سنّت تھا اَور استدلال میں کلامِ عرب سے وہ اشعار جمع کر کے بیان کیے جن میں سنّت کا لفظ طَور طریقوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

مِنْ مَعْشَرٍ سَنَّتْ لَهُمْ آبَاؤُهُمْ
وَ لِكُلِّ قَوْمٍ سُنَّةٌ وَ أَمَامُهَا

یہ لبید کا مشہور شعر ہے۔ یہاں سنّت سے مراد ظاہر ہے کہ سنّت رسول اللہ ﷺ نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی یہ معلوم نہ ہو کہ لبید کا تعلّق کس طبقہ شعرا سے ہے؟ یہ کہا جائے کہ لبید مشہور صحابی ہیں، جو فلاں سن میں اِسلام لائے اَور اِسلام لانے کے بعد اِتنے سال زندہ رہے، اُنہوں نے سنّت کے بارے میں یہ کہا ہے اَور یہ نہ کہا جائے کہ یہ قصیدہ کب کہا گیا تھا، کس زمانے میں کہا گیا تھا؟ اس وقت لبید کی عمر کیا تھی؟ تو بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ لبید کی ایک سو چالیس سال عمر تھی۔ جب اِسلام قبول کیا تو ۷۰ سال کے تھے اَور اِسلام قبول کرنے کے بعد بھی ستّر سال زندہ رہے۔ اِسلام لانے کے بعد انہوں نے کوئی شعر نہیں کہا۔ حال آں کہ اپنے زمانے میں عرب کے سب سے بڑے شاعر تھے۔ اسلام لانے کے بعد جب ان سے کوئی شعر کا مطالبہ کرتا تھا تو کہتے تھے:

أبعد القرآن؟

کیا قرآن کے بعد بھی شعر کی ضرورت ہے؟

اِس لئے وہ شعر نہیں کہتے تھے۔ یہ قصیدہ اُن کا اِسلام سے پہلے کا کہا ہوا تھا، جس میں اُنہوں نے سنّت کا لفظ قدیم قبائلی طَور طَریقوں کے بارے میں استعمال کیا ہے۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ امام مالکؒ کی اپنی کتاب مؤطا میں عمل مدینہ کو خبرِ واحد کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں۔ اگر خبر واحد یعنی کوئی ایسی حدیث جو ایک راوی نے بیان کی ہو، اُس میں اَور مدینے کے اجتماعی طرزِ تعامل میں کوئی تعارض ہو تو امام مالکؒ کے نزدیک مدینے کے اجتماعی طرزِ عمل کو

ترجیح حاصل ہے۔ اِس لئے کہ یہ طرزِ عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ اجماع کی ایک شکل ہے، یا تعامل اُمّت کی ایک شکل ہے اَور تعامل اُمّت چوں کہ صحابہؓ اَور تابعین کا عمل ہے۔ امام مالکؒ تبع تابعین میں سے ہیں تو یہ بھی سنّت کا حصّہ ہے لیکن یہ ساری بحث نکال کر مستشرقین میں کچھ لوگوں نے یہ جملہ نکالا:

والامر عندنا، والسنة عندنا، والعمل عندنا، والامر المجتمع عليه عندنا

یہ ساری اصطلاحات امام مالکؒ کی ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ مدینہ منورہ کا جو مقامی رِواج تھا وہ امام مالکؒ کے نزدیک سنّت ہے۔ یہ بات تو مؤطا امام مالک کے حوالے سے ختم ہوگئی۔ اب اگر امام مالکؒ کے نزدیک مدینے کا قدیم رِواج سنّت تھا، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوفے کا قدیم رِواج سنّت تھا۔ یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ کوفہ کب بنا تھا؟ کوفے کا قدیم رِواج تو صحابہؓ کا رِواج تھا، کوفہ تو پہلی مرتبہ صحابہؓ نے بنایا تھا، وہاں کی ساری آبادی سو فی صد صحابیؓ اور تابعی تھی۔ لہٰذا، بالفرض اگر اُن کا رِواج بھی سنّت تھا تو وہ بھی سنّتِ رسول اللہ ﷺ کا حصّہ تھا۔ اَور شام کا قدیم رِواج، امام اَوزاعیؒ کے نزدیک سنّت تھا۔ مگر مستشرقین اس بحث میں نہیں جاتے۔

یہ بات پاکستان میں اَور دُنیائے اِسلام میں اہلِ علم جو وہاں سے پڑھ کر آئے ہیں، اُنہوں نے لکھی ہے۔ لاہور میں ایک کتاب شائع ہوئی تھی، بڑے پیمانے پر چھپی ہے۔ اب بھی کہیں کہیں یہ کتاب نظر آ جاتی ہے۔ آپ بھی دیکھیں، کہیں نظر آئے گی:

The Concept of Sunnah in the Mauta Imam Malik

یہ پاکستان میں چھپی ہے، پاکستانی صاحبِ علم نے لکھی ہے۔ عربی میں بھی ایسے موضوعات پر لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں، جن میں یہی بات دُہرائی گئی ہے۔ لیکن الحمدللہ اِن تصورات کو زیادہ رِواج حاصل نہیں ہوا۔ مسلمانوں میں ایک فی ہزار بھی اَیسے نہیں ہوں گے، ایک فی لاکھ میں بھی نہیں ہوں گے، جنہوں نے سنّت کے بارے میں اِن مباحث کو قبول کیا اَور اِن تصورات سے اتفاق کیا ہو۔

یہ بات کہ سب سے پہلے امام شافعیؒ نے سنّت رسول اللہ کو مسلمانوں کے لئے حجّت قرار دیا اَور مسلمانوں کے سر مڑھا، یہ بات بھی کوئی نہیں مانتا۔ مستشرقین نے یہ بات تفصیل سے لکھی ہے، اِس کی بنیاد کیا ہے؟ اِس کی بنیاد یہ ہے کہ امام شافعیؒ، سب سے پہلے آدمی ہیں، جن کی اُصولِ فقہ پر کتاب ہم تک پہنچی ہے۔ اُن سے پہلے مکمّل، جامع کتاب کے طَور پر اُصولِ فقہ پر کوئی تحریر آج دست یاب نہیں ہے۔ اِس کتاب میں جہاں امام شافعیؒ نے شریعت کے مآخذ بتائے ہیں، وہاں قرآن پاک، سنّت، اجماعِ اُمّت اَور اِجتہاد کو ماخذ شریعت قرار دیا ہے، جو مسلمانوں کا متفق علیہ نقطہ نظر ہے۔ اب چوں کہ یہ سب سے پہلی کتاب ہے، جس میں سنّت کا لفظ اِتنی تفصیل اَور منطقی اِستدلال کے ساتھ آیا ہے، اِس لئے اُن کو یہ کہنا بہت آسان لگا کہ امام شافعیؒ نے سب سے پہلے سنّت کو مآخذ قرار دیا، اُن سے پہلے سنّت مآخذ شریعت نہیں تھی۔

اِن کاوِشوں سے مستشرقین کو یہ بات تو سمجھ میں آ گئی کہ نہ قرآن پاک کی بنیادوں کو ہلایا جا سکتا ہے، نہ سنّت کی بنیادوں کو ہلایا جا سکتا ہے، نہ سیرت کی بنیادوں کو ہلایا جا سکتا ہے۔ اب وہ لوگ جو باتیں کہتے ہیں وہ جزوی ہیں اَور پُرانی باتوں کو دُہرانے والے بہت تھوڑے ہیں۔ وقتاً فوقتاً بعض مستشرقین میں نیا جوش پیدا ہوتا ہے، اِس کو وہ اُٹھاتے رہتے ہیں۔ قرآن پاک کے بارے میں تقریباً یہ کاوِشیں ختم ہوگئیں۔ اِکا دُکا لوگ رہ گئے ہیں۔

ابھی چند سال پہلے ایک مستشرق تھا، جس کی دو بڑی کتابیں شائع ہوئی ہیں (نام میں بھول گیا)، انگلستان کا تھا۔ اِس نے دوبارہ اِن باتوں کو دُہرایا لیکن وہ کتابیں زیادہ عام نہیں ہوسکیں۔ لیکن آج سے کچھ سال پہلے ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۲ء میں وغیرہ میں صنعا (یمن) میں ایک قدیم مسجد جو صحابہؓ یا تابعینؒ کے دَور میں بنی تھی، وہ گر گئی۔ اِس مسجد کے گرنے پر اِس مسجد کی چھت سے پُرانے طرز کے قرآن پاک کے پھٹے ہوئے نسخے برآمد ہوئے۔ شاید یہ ہوا ہوگا کہ بوسیدہ نسخے ہوں گے، مسجد بن رہی ہوگی تو اِس خیال سے کہ بے ادبی نہ ہو، مسجد کی چھت میں کسی نے رکھوا دیے۔ وہ تیرہ سو برس، چودہ سو برس رکھے رہے۔ ۱۹۷۲ء میں چھت گری تو مرمت ہوئی پھر ۱۹۸۰ء میں دوبارہ اِس کو تعمیر کرایا گیا تو بڑے پیمانے پر یہ نسخے دریافت ہوئے۔ اِن دریافت شدہ نسخوں کی بنیاد پر مستشرقین نے زمین و آسمان ایک کر دیے اَور وہ بڑے پیمانے پر صنعا پہنچ گئے۔ اِن میں سے کچھ نسخے وہ خرید کر لے گئے، کچھ حکومتِ یمن نے

لے جانے سے روک دیا، اوراپنے ہاں روک لئے (۱۹)۔ اِس پر تحقیق شروع ہوئی اَور مضامین شائع ہوئے۔ ان میں سے بعض مضامین میں نے دیکھے ہیں۔ مستشرقین نے اس قرآنی نسخوں کی بنیاد پر یہ کہنا شروع کیا کہ قرآن مجید کے نئے ورژن Version دریافت ہوئے ہیں، اور اب ہمارا یہ دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گا کہ قرآن کا موجودہ متن چوتھی صدی ہجری میں تیار ہوا ہے۔ یہ بات مستشرقین پُرانے زمانے میں کہا کرتے تھے کہ قرآن پاک کا کوئی متعین متن نہیں تھا۔ مختلف اجزا، مختلف نسخے جگہ جگہ مروج تھے۔ چوتھی صدی ہجری میں امام ابوعمرو الدانی نے جو قرأت کے مشہور امام ہیں، ایک نسخہ متعین Establish کیا۔ لیکن یہ بات اتنی بے بنیاد اَور مضحکہ خیز تھی کہ اسے کسی نے بھی قبول نہیں کیا۔ جب یہ نسخے دریافت ہوئے تو یہی بات پھر لکھی گئی اَور ایک مضحکہ خیز دلیل یہ دی گئی کہ دیکھئے یہ اختلافات variations حاشئے میں دیے ہوئے ہیں۔

آپ کو یاد ہوگا، اور ہمارے قدیم کتابوں کے طلبہ جانتے ہیں کہ قدیم بزرگوں کا طریقہ تھا کہ کتاب کے بین السطور میں عبارت کے معنی لکھ دیا کرتے تھے۔ مثلاً:

الصلوة الوسطى اى الصلوة العصر

یا کسی ضمیر کا مرجع لکھ دیا:

فيها اى فى الجنة

اکثر کتابوں میں آج بھی اسی طرح لکھا ہوتا ہے۔ آج کسی مدرسے میں آپ جا کر دیکھ لیں، کوئی کتاب، کسی کتب خانے سے اُٹھا کر دیکھ لیں، بین السطور میں آپ کو الفاظ کے معنی اور تشریحات نظر آئیں گی۔ اِس طرح کے معنی بعض لوگوں نے قرآن کریم کے نسخوں میں لکھے ہوئے تھے، اِنہوں نے کہا کہ دیکھو یہ متن کا اختلاف variation ہے۔ ایک متن Text یہ تھا، ایک متن وہ ہے۔ اِس نسخے کو مدون edit کرنے والے نے ان میں سے ایک کو کو اصل قرار دیا اور باقی نسخوں کا اختلاف اس نے بین السطور درج کر دیا۔ جب انہیں بتایا گیا کہ یہ بالکل فضول بات ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں اَور متن ہر جگہ ایک ہی ہے تو انہوں نے پھر اِن نسخوں کو نظرانداز کر دیا۔ پہلے انہوں نے اِن نسخوں کو بڑے زور وشور سے بیان کیا تھا کہ یہ اصل نسخے ہیں، جب پتا چلا کہ اِن نسخوں سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی تو اِن نسخوں کے

تاریخی ہونے سے بھی انکار کر دیا۔ اِس لئے مغربی مستشرقین کی تحقیقات پر زیادہ اعتماد نہ کیا کریں۔ یہ بات آج میں چالیس کے مطالعے کے بعد کہنے کے قابل ہوا ہوں۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۸۶۰ء میں جب رسول اللہ ﷺ کا ایک نامہ مبارک دریافت ہوا تھا، جو ایک انگریز کو لبنان میں کسی گاؤں سے ملا تھا۔ یہ وہ نامہ مبارک تھا جو رسول اللہ ﷺ نے قیصرِ روم کے نام تحریر فرمایا تھا۔ یہ ایک چمڑے پر لکھا ہوا تھا۔ جس کا متن ہر جگہ لکھا ہوا ملتا ہے۔ ہر کتاب میں موجود ہے۔ نقشوں میں بھی لگا ہوتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، من محمّد بن عبداللہ ورسولہ الی
ھرقل عظیم الروم ،سلام علی من اتبع الھدیٰ، اما بعد،
فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلیم، یوتیک اللہ
اجرک مرتین، فان تولیت فانما علیک اثم الاریسین قل یا
اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد
الااللہ ولا نشرک بہ شیئاولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباب من
دون اللہ فان تولوافقول اشھدوا بان مسلمون، والسلام
علی من اتبع الھدی
محمّد رسول اللہ

اس نامہ مبارک کے آخر میں آپ ﷺ کی مہر مبارک تھی۔ مغرب کے ماہرین نے اِس کا جائزہ لیا اَور یہ لکھا اَور ان کی تحریریں آج بھی مطبوعہ موجود ہیں، کہ یہ ایک ہزار سے پندرہ سو سال پُرانی تحریر ہے۔ یہ دراصل پارچمنٹ Parchment تھا۔ پارچمنٹ کی عمر اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ ایک ہزار سے پندرہ سو سال کے درمیان کی تحریر ہے۔ جب مسلمان علما نے یہ بتایا کہ اِس سے تو حدیث کے متن کی تصدیق ہوتی ہے، اِس لئے کہ بعینہٖ یہی متن جو میں نے پڑھا، صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے، اِس کے معنی یہ ہیں کہ امام بخاریؒ جب صحیح بخاری مرتب فرما رہے تھے تو بالکل روایت باللفظ (word by word) کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ کو نقل کر رہے تھے۔ اِس لئے کہ آج تم کہتے ہو کہ یہ اصل ہے اَور اِس میں جو متن ہے وہ صحیح بخاری میں پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ جب ان کو یہ خیال ہوا کہ اِس سے تو وہ پوری

عمارت جو ہم بنا رہے تھے، وہ گر جاتی ہے، تو انہوں نے اس کا بھی انکار کرنا شروع کر دیا کہ نہیں، نہیں یہ بھی بے بنیاد ہے، فلاں ہے، اب وہ اِس حقیقت کا انکار کرتے ہیں، جسے وہ پہلے تسلیم کر چکے ہیں۔ اِس طرح کے تقریباً چھ نامہ ہائے مبارک دریافت ہوئے، جن میں سے ایک کے بارے میں مسلمان ماہرین میں سے بعض کو تامل ہے، بعض کو نہیں، لیکن پانچ کے بارے میں بالاتفاق طے ہے کہ وہی نامہ ہائے مبارک ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے تحریر فرمائے تھے۔ اِن چھ پر ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے کتاب لکھی تھی، جن میں اِن چھ کی پوری تاریخ اُور تفصیل بیان کی تھی۔

یہ گویا علمِ حدیث اُور سیرت کے بارے میں مستشرقین کی تین سو سالہ کاوِشوں کا نتیجہ تھا جو کام یاب نہیں ہوئیں۔ اِن سے مسلمانوں میں کتنے لوگ متاثر ہوئے، غالباً کوئی بھی نہیں ہوا ہوگا۔ مسلمانوں میں شاید کوئی ایک بھی آدمی ایسا نہ ہو جس نے یہ مانا ہو کہ قرآن چوتھی صدی ہجری میں مرتب ہوا۔ احادیث کے بارے میں بعض منکرینِ حدیث متاثر ہوئے، لیکن وہ مستشرقین کی تحریروں کے بہ جائے مقامی منکرین حدیث کی تحریروں سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ سیرت کے بارے میں کوئی خاص غلط فہمی پیدا نہیں ہوئی۔

اب جو رجحان ہے، وہ سیرت پر بہ حیثیت مجموعی حملے کا نہیں ہے، بل کہ جزوی واقعات کو نشانہ بنانے کا ہے۔ اِن جزوی واقعات میں سب سے اہم جو بات کہی جاتی ہے، وہ مصادرِ سیرت کی ہے۔ مصادرِ سیرت میں مسلمان علما بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بعض راوی کم زور ہیں اُور یہ بات ہمیشہ سے مسلمان علما میں متفقہ رہی ہے کہ سیرت کے واقعات بیان کرنے میں مستند ترین بنیاد قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید میں سیرت کے اہم واقعات کا ذِکر ہوا ہے۔ غزوہ بدر کا ذکر، اُحد کا ذِکر ہے، ہجرت کا ذِکر ہے۔ اِس کے بعد مستند ترین احادیث کا درجہ ہے۔ ہر کتابِ حدیث میں صحیح بخاری سے لے کر امام بیہقیؒ کی کتب تک سیرت کے اہم واقعات کا تذکرہ ملتا ہے، جو پوری سندِ متصل کے ساتھ محدثین نے بیان کی ہے، اس لئے کتب حدیث سیرت کا دوسرا بڑا مآخذ ہیں۔ تیسرا بڑا مآخذ، وہ کتبِ سیرت ہیں جو مستند علمائے سیرت نے مرتب کی ہیں۔ اِن میں ابن ہشام، ابن اسحاق وغیرہ کی مرتب کردہ کتبِ سیرت شامل ہیں۔ اِس کے بعد چوتھا درجہ اُن کتابوں کا ہے جو بہت بعد میں مسلمان واعظین نے یا بعض

عقیدت مندوں نے مرتب کی ہیں۔ اِن میں بعض کم زور روایات بھی آ گئیں۔

مسلمانوں میں کم زور روایات کو پرکھنے کے دو معیار ہمیشہ سے رہے ہیں۔ ایک معیار تو محدثین کا ہے، جو رِجال کی بنیاد پر روایت کو پرکھتے ہیں کہ اگر راوی بالکل قوی ہے، حافظے میں تیز ہے، دیانت دار ہے، امانت دار ہے، راوی کو جانچنے کی جو پانچ صفات ہیں: ضبط، عدالت، دیانت، حفظ، اسلام۔ اگر وہ اِس پر پورا، اُترتا ہے تو اُس کی روایت قابلِ قبول ہے۔ دوسرا معیار فقہائے اِسلام اَور علمائے درایت کا ہے کہ معنوی اعتبار سے کیا وہ رِوایت اِس قابل ہے کہ اِس کو درست تسلیم کیا جائے۔ یہ دونوں معیار ایسے ہیں جس میں اختلافِ رائے ہو سکتا ہے۔ ایک محدث کے نزدیک ایک راوی ضعیف ہوگا بھی تو دوسرے محدث کے نزدیک راوی ضعیف نہیں ہوگا۔ واقدی مشہور راوی ہیں اَور واقعاتِ سیرت کا بہت بڑا حصّہ واقدی نے جمع کیا ہے۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک واقدی ضعیف ہیں، اُن کی بیان کردہ رِوایات اُس درجے کی نہیں ہیں، جس درجے کی محدثین کی ہیں، بعض دوسرے علما کے نزدیک واقدی کی رِوایات درست ہیں، وہ ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ایک مسئلہ ہے، جس پر دو رائے ہو سکتی ہیں اَور ہر دَور میں دو رائے رہی ہیں۔ آج بھی بعض سیرت نگار، اس طرح کی آرا کا اظہار کرتے ہیں، مثلاً علاّمہ شبلی کی کتاب اُٹھا کر دیکھیں کہ کہیں وہ واقدی کی روایات کو اِس بنیاد پر مسترد کرتے ہیں کہ یہ واقدی کی ہیں، کہیں اِس بنیاد پر قبول کرتے ہیں کہ دوسری رِوایات سے اِس کی تائید ہوتی ہے۔

اِس لئے یہ تو تحقیق کا ایسا مسئلہ ہے جس میں دو رائے رہیں گی۔ لیکن یہ جو اختلافی قسم کے معاملات ہیں، اُن کا تعلّق سیرت کے مرکز (Core) سے نہیں ہے یعنی سیرت کا جو بنیادی ڈھانچہ (Basic Structure) ہے، سیرت کے بنیادی واقعات ہیں۔ اِن واقعات کی بنیادی تفاصیل ہیں، اِن میں بعض رِوایات کے ضعیف ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مثال کے طَور پر رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، والد گرامی کا یہ تھا، والدہ محترمہ کا نام یہ تھا، دادا عبدالمطلب تھے، پھر چچا نے پرورش کی، مکہ مکرمہ میں رہے۔ فلاں قبیلے میں رضاعت کے لئے بھیجے گئے۔ پچیس سال کی عمر میں سیّدہ خدیجہؓ سے شادی ہوئی، تجارت کے لئے کئی بار بیرونِ عرب بھی تشریف لے گئے۔ پھر نبوت کا دعویٰ ہوا، تیرہ سال مکہ میں

رہے، ہجرت فرمائی، غزوات ہوئے۔ اِن میں سے تو کسی چیز میں اختلاف میں نہیں ہے۔ اَور نہ اِن میں سے کوئی چیز کسی ضعیف راوی سے ثابت ہوتی ہے۔ یہ اکثر واقعات تو قرآن پاک میں ہی آئے ہیں یا مستندترین احادیث میں آئے ہیں۔ جن معاملات میں اختلاف ہوسکتا ہے، وہ جزوی تفصیلات ہیں: مثلاً واقدی کی مثال عرض کرتا ہوں۔ واقدی کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ ضعیف راوی ہے اَور اِن کی رِوایت کو قبول نہیں کرتے۔ واقدی کا طریقہ یہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مغازی کے بارے میں معلومات جمع کرتے تھے۔ رسول ﷺ نے جو غزوات فرمائے وہ کیسے ہوئے؟ کہاں ہوئے؟ کس طرح ہوئے؟ یہ اُن کی دِل چسپی کا خاص میدان تھا۔ واقدی مختلف عرب قبائل میں جایا کرتے تھے، اُن سے جا کر پوچھتے تھے کہ آپ کے خاندان میں کوئی بزرگ صحابی ہوئے ہیں؟ ہاں جی ہوئے ہیں۔ اُن کے کوئی بیٹے زندہ ہیں؟ ہاں، زندہ ہیں۔ کہاں ہیں؟ اُن سے جا کر ملتے۔ ظاہر ہے بہت معمر ہوں گے۔ واقدی کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا ہے، تو واقدی کے زمانے میں اگر کسی صحابی کے بیٹے زندہ ہوں گے تو وہ بہت معمر ہوں گے۔ اُن سے پوچھتے کہ آپ نے والد سے کیا کیا سنا؟ اُس کو لکھ لیا کرتے، کوئی اَور زندہ ہیں؟ فلاں صحابیؓ کے پوتے زندہ ہیں، فلاں کی نواسی زندہ ہے۔ اِس طرح وہ قبائل میں جا کر معلومات کو لکھا کرتے تھے اَور لکھنے کے بعد اِن سب واقعات کو مرتب کر کے لکھتے تھے کہ میں فلاں فلاں سے ملا، اُن کے یہ یہ نام ہیں۔ انہوں نے پچیس نام لکھے اَور پھر بتایا کہ اُن سے مجھے یہ معلومات حاصل ہوئیں۔ یہ بات محدثین کو قابل قبول نہیں۔ اُس طریقے میں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون سی بات کس راوی نے بیان کی ہے۔ محدث جب بیان کرتا ہے تو ایک ایک جز کو الگ الگ بیان کرتا ہے کہ یہ لفظ میں نے آپ سے سنا ہے، یہ لفظ آپ نے اُن سے سنا، اُنہوں نے یہ لفظ اُن سے سنا۔ واقدی کا جو پورا بیان description تھا، اُس میں یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ انہوں نے خاص یہ بات کس سے سنی؟ اِس لئے محدثین نے اُس کو زیادہ اعتنا کے قابل نہیں سمجھا۔ لیکن بالفرض اگر یہ قابلِ اعتبار نہ ہو تو اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ غزوہ بدر ہوا تھا، اُس میں تین سو تیرہ مسلمان تھے اَور ایک ہزار کفار تھے۔ مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی، کفار کو شکست ہوئی۔ ۷۰ مارے گئے، ۷۰ گرفتار ہوئے، اِس حد تک تو احادیث سے ثابت ہے۔ اب جو ستّر مارے گئے، اُن کے نام کون کون سے تھے؟

یہ تفصیلات واقدی نے جمع کیں۔اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس ۷۰ اونٹ اَور دوگھوڑے تھے۔واقدی کو یہ دِل چسپی تھی کہ پتا لگائیں کہ ۷۰ اونٹ کس کس کے تھے؟اب اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ ۷۰ اونٹ کس کس صحابیؓ کے تھے تو اِس سے غزوۂ بدر کی تفصیلات میں کوئی فرق نہیں پڑتا،لیکن واقدی نے اپنے ذَوق سے پوری زِندگی لگا کے یہ معلومات جمع کیں کہ وہ ۷۰ اونٹ کس کس کے تھے؟ اَور دوگھوڑے کس کے تھے؟ اِسی طرح مختلف واقعات سیرت کی تفصیلات جمع کیں۔ یہ وہ واقعات ہیں جن میں مسلمانوں میں بھی اختلاف رہا ہے کہ اِس کو قبول کی جائے یا نہ کیا جائے۔

مستشرقین نے جب سیرت کے مآخذ کو تحقیق اَور گفت گو کا موضوع بنایا تو اِن چیزوں کو زیادہ نمایاں کیا۔مستشرقین کے ہاں آپ کو وہ تمام اقوال ملیں گے جو محدثین نے واقدی کے خلاف لکھے ہیں۔لیکن جن محدثین نے واقدی کی تائید میں لکھا ہے، اُن میں مستشرقین دِل چسپی نہیں رکھتے۔ یہ بھی نہیں بتاتے کہ محدثین کو جو اعتراض تھا وہ کیا تھا؟

بعد میں آگے چل کر تیسری، چوتھی، پانچویں صدی ہجری میں بعض مسلمان علما نے معراج اَور معجزات کی رِوایات کو جمع کیا۔خصائص نبوی ﷺ کے نام سے ایک فن وجود میں آیا یعنی رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے جن خصائص سے نوازا تھا، وہ کیا کیا تھے؟ اِن خصائص میں سے کچھ تو قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں۔قرآن حکیم میں ایک مقام پر فرمایا:

خالصة لک من دون المومنین(۲۰)

دوسرے مومنوں سے ہٹ کر خاص آپ کے لئے۔

یہ نص قطعی ہے کہ حضور ﷺ کو ایسے خصائص حاصل تھے جو عامۃ الناس کو حاصل نہیں تھے۔اِسی طرح صحیح احادیث میں کچھ چیزیں بیان ہوئی ہیں۔کچھ خصائص وہ ہیں جو ضعیف یا کم زور احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔جب چوتھی، پانچویں، چھٹی صدی ہجری کے سیرت نگاروں نے اِن خصائص کو جمع کیا تو ان کتب میں بعض کم زور باتیں اور کم درجے کی روایات بھی شامل ہوگئیں۔اب ایک عقیدت مند جو عشق نبی ﷺ کے جذبے سے سرشار ہو، وہ لکھے گا تو اُس کو تو ہر چیز میں حضور ﷺ کی شان اَور خصوصیت نظر آئے گی۔ایک عاشق اِس بحث میں نہیں پڑتا کہ یہ چیز جو میرے محبوب سے منسوب مجھے دی گئی ہے واقعی اُس کی ہے یا

نہیں ہے۔ اُس کو تو ہر چیز میں اُس کا جلوہ نظر آئے گا، لہٰذا اُنھوں نے کوئی خاص تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی اَور خصائص نبی ﷺ ، معجزات نبوت، علاماتِ نبوت اور امارات نبوت کے عنوان سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ اِن میں بعض رِوایات کم زور ہیں، بعض رِوایات، علمِ حدیث کی رُو سے قابلِ قبول نہیں ہیں لیکن جن حضرات نے ان روایات کو جمع کیا اور اپنی کتابوں میں انہیں لکھا، اُن حضرات نے بہت نیک نیتی اَور جذبہ عشق سے لکھا تھا۔ اُن کو اِس میں کوئی بات غلط معلوم نہیں ہوئی، اِس لئے اُنہوں نے وہ ساری چیزیں بیان کردیں۔ اِس بنا پر مستشرقین نے یہ لکھنا شروع کیا

There is difference between real
Muhammad and idealized Muhammad.

حقیقی محمد ﷺ کی شخصیت میں اَور ایک آئیڈیل Ideal مثالی بنادیے جانے والے محمد کی شخصیت میں فرق ہے۔

اور Idealized Muhammad یعنی مثالی بنادیے جانے والے محمد کا حوالہ جب دیتے ہیں تو ان رِوایات کا حوالہ دیتے ہیں جن میں مسلمان علما کو بھی شروع سے تامل تھا، اَور وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ کتبِ حدیث میں مثلاً صحیح بخاری میں سیرت کے بارے میں واقعات موجود ہیں، مغازی کا الگ عنوان موجود ہے، فضائل انبیا کا عنوان موجود ہے، سیر کا عنوان بہت سی کتبِ حدیث میں موجود ہے، لیکن اُن میں سے کسی میں بھی کم زور رِوایات موجود نہیں ہیں۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ ذِمّے دار مسلمان علما نے سیرت کو اِس طرح بیان کیا جس طرح اُن تک پہنچی تھی اَور اسی سند متصل سے بیان کیا جس سند متصل سے ان کے پاس آئی تھی۔ لیکن اگر نیتوں میں فتور ہو یا دِل میں چور ہو تو پھر جو چیز اپنے مفاد کے خلاف نہ ہو یا اپنے نقطہ نظر کے خلاف نہ ہو اُس کو انسان نظر انداز کر دیتا ہے اَور جو چیز اپنی گم راہیوں کی تائید کرتی اُس کو جلدی قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، چناں چہ مستشرقین ان چیزوں کو قبول کرنے کے لئے آمادہ رہے جو ان کے خیال میں ان کے لئے مفید تھیں اَور حقیقتیں چھپاتے اَور نظر انداز کرتے رہے۔

ایک بڑی بنیادی بات تو مآخذ سیرت کے بارے میں ہے، لیکن اِس کے معنی یہ نہیں

ہیں کہ مستشرقین نے مآخذ سیرت کے بارے میں یہی بات کہی۔ بہت سے مستشرقین ایسے بھی ہیں، جنہوں نے اِن مآخذ کو جائز مآخذ تسلیم کیا۔ ابن ہشام، ابن اسحاق، واقدی، وغیرہ کی تحقیقات کو سراہا اَور تاریخی دلائل سے ثابت کیا کہ اُن کی تحقیقات اَور اُن کی بیان کی ہوئی معلومات سب کی سب قابلِ قبول اَور درست ہیں۔

چند اَور جزوی معاملات ہیں، جن پر مستشرقین انیس صدی عیسوی کے آخر سے لکھتے چلے آرہے ہیں۔ سر ولیم میور Sir William Muir (۲۱) کا تذکرہ آپ نے سنا ہوگا۔ ولیم میور ایک انگریز تھا۔ برطانوی سلطنت کے انتہائی جاہ وجلال کے زمانے میں یو پی کا لفٹیننٹ گورنر Lt. Governor تھا۔ اُس نے ایک کتاب حیاتِ محمد Life of Mahomet کے نام سے چار جلدوں میں لکھی تھی اَور یہ دعویٰ کر کے شائع کی تھی کہ یہ کتاب تمام کی تمام تحقیق اَور دلائل پر مبنی ہے۔ وہ عربی بھی جانتا تھا، فارسی بھی جانتا تھا اَور اُس نے تمام عربی مآخذ سے کام لیا۔ اس کے بارے میں یہ کہنا مشکل تھا کہ اس نے کوئی ایسی کتاب لکھی ہے جو دلائل سے خالی ہے۔ اس کتاب میں سب عربی مآخذ کے حوالے تھے۔ اس کتاب کے بارے میں سر سیّد نے لکھا ہے:

جوں جوں کتاب پڑھتا جاتا ہوں، دِل کباب ہوتا جاتا ہے۔ (۲۲)

اَور اِس کا جواب بھی اُنہوں نے لکھنے کی کوشش کی تھی اَور ایک جلد لکھ پائے تھے۔ اِس کتاب میں ولیم میور نے بعض ایسے دعوے کئے جو مستشرقین آج بھی کر رہے ہیں اَور وقتاً فوقتاً اُن کی صدائے بازگشت آج بھی سنائی دیتی ہے۔ مثلاً ایک بات اُس نے کہ کہی کہ یہ دعویٰ غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا تعلق سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کی اَولاد سے تھا اَور یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ بیت اللہ، سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ یہ درمیان میں عرب کے کسی آدمی نے بنایا تھا اَور چوں کہ مسلمانوں میں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت معروف تھی، عربوں میں بھی معروف تھی تو کسی نے اُن سے منسوب کر دیا اَور اس نسبت کو ثابت کرنے کے لئے سیّدنا اسماعیل علیہ السلام سے اپنا نسب جوڑ لیا۔ یہ بات سب سے پہلے ولیم میور نے لکھی ہے۔ اِس کے بعد علما، ایک ایک کر کے اِس کا جواب دیتے چلے آرہے ہیں۔ خود سر سیّد نے اپنی اس جلد میں بہت مدلل دلائل کے ساتھ اس کا جواب دیا تھا اَور یہ بات بائبل سے ثابت کی تھی کہ سیّدنا

اسماعیل علیہ السلام، جزیرہ نمائے عرب میں آباد ہوئے۔ جزیرہ نمائے عرب میں انہوں نے بیت اللہ بنایا اَور سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مل کر بنایا۔ اِس لئے یہ دعویٰ کہ بیت اللہ کا حضرت ابراہیمؑ سے کوئی تعلّق نہیں ہے بالکل بے بنیاد اَور غلط ہے۔ اِس کے بعد اَور بھی دلائل لوگوں نے دیے ہیں۔

ایک بات جو تسلسل کے ساتھ ولیم میور نے بھی لکھی ہے اَور اُس کے بعد آج تک مستشرقین لکھتے چلے آ رہے ہیں، مگر اس کی بنیاد سمجھ میں نہیں آتی کہ انہوں نے یہ بات کیوں لکھی؟ پھر ایک بہت بڑے مسلمان عالم نے بھی لکھ دی۔ میں نے پہلی مرتبہ یہ بات پڑھی، مجھے بڑا دُکھ ہوا۔ ولیم میور نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا خاندان جزیرہ نماے عرب میں کم تر خاندان تھا۔ حال آں کہ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے جدامجد جناب قصی بن کلاب، وہ سب سے پہلے آدمی ہیں، جنہوں نے مکہ مکرمہ کا غاصبانہ قبضہ ختم کروایا اَور مکہ مکرمہ میں ایک شہری حکومت قائم فرمائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دادا کے دادا ہیں۔ اُس کے بعد اُن ہی کے زمانے سے مکہ مکرمہ میں ایک شہری ریاست کا قیام عمل میں آیا، جو یونان کے بعد معلوم و مدوِن تاریخ میں پہلی شہری ریاست ہے۔ (۲۳) اِس میں انہوں نے اپنے تمام قبائل کی اولاد کو جمع کیا اَور بڑے بڑے مناصب اپنی اَولاد میں سے ایک ایک کو دیئے۔ چناں چہ اُن کی اَولاد میں وہ مناصب چلتے رہے اَور یہ طریقہ طے ہوگیا کہ قصی کی اَولاد میں جو بزرگ ترین ہوگا، وہ اس شہری ریاست کا سربراہ ہوگا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کا چانسلر ہوگا۔ چناں چہ قصی اِس ریاست کے سربراہ ہوئے، اُن کے بعد ان کے بیٹے ہوئے، ان کے بعد جناب ہاشم ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے پردادا۔

ہاشم اپنے زمانے میں مکہ مکرمہ کے سربراہ تھے اَور اِس شان کے سربراہ تھے کہ قیصر روم سے اُن کے ذاتی تعلّقات تھے۔ تمام تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ قیصرِ روم، جزیرۃ العرب کے معاملات کے بارے میں اُن سے مشورہ کرتے تھے۔ اَور اُنہوں نے قیصر روم سے عرب قافلوں کے آنے جانے کی اجازت اَور پروانہ راہ داری حاصل کی تھی۔ قرآن پاک میں جس رحلۃ الشتاء والصیف (۲۴) کا تذکرہ ہے، قریش کے وہ سفر ایرانی اَور رومی حکومت کی طرف سے جناب ہاشم کی مداخلت کے نتیجے میں حاصل ہونے والے اجازت نامے کے

نتیجے میں ممکن ہوئے تھے۔ اس اجازت کا مطلب یہ تھا کہ اُن کے قافلوں کو چھیڑا نہیں جائے گا۔ چناں چہ قریش کے قافلوں کو کوئی نہیں چھیڑا کرتا تھا، نہ اُن پر ڈاکے پڑتے تھے، نہ ان قافلوں کو کچھ اَور نقصان ہوتا تھا۔ باقی پورے عرب میں ڈاکے پڑتے تھے، کوئی قافلہ سلامت نہیں رہتا تھا، لیکن قریش کے قافلے پر کوئی ڈاکہ نہیں ڈالتا تھا۔ یہ قافلے سال میں دومرتبہ آیا جایا کرتے تھے اَور شام تک جاتے تھے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کوئی مسئلہ پیدا ہوا اَور جناب ہاشم کی مداخلت کے نتیجے میں وہ مسئلہ ختم ہو گیا۔ اگر ابو طالب، مکہ کے سربراہ نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کو تحفظ protection کیسے دیتے۔ اِس لئے یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کا خاندان، نعوذ باللہ کم تر قسم کا خاندان تھا، یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ قریش میں دوخاندان بڑے نمایاں تھے: ایک بنی امیہ اَور ایک بنی ہاشم۔ اَور یہ دوخاندان اس لئے نمایاں ہو گئے کہ جب قصی کے بیٹے عبد مناف کا انتقال ہوا، اُن کی جانشینی کے دعوے دار دو تھے۔ جناب ہاشم جو کم سن تھے، لیکن بہت خوب صورت اَور سخی تھے۔ اُن کا لقب ہاشم کیوں تھا؟ اِس لئے کہ وہ تمام حاجیوں کی اپنی جیب سے مہمان داری کرتے تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ جو مہمان مکہ مکرمہ میں آئے گا وہ میرا ذاتی مہمان ہوگا۔ اَور وہ اُن کے لئے ثرید بنوایا کرتے تھے۔ عربی زبان میں روٹی توڑنے والے کو ہاشم کہتے تھے۔ هشم، لهشم کے معنی ہیں کھانے کی کوئی چیز توڑ کر اس کو کھانے کے لئے تیار کرنا۔ تو روٹی تڑوا کر گوشت میں پکواتے تھے، اِس لئے اُن کا نام ہاشم پورے عرب میں مشہور ہو گیا تھا، ورنہ اُن کا نام ہاشم نہیں تھا بل کہ شیبۃ الحمد تھا۔ تو جس کا یہ مقام ہو کہ پورے عرب کے حاجیوں کی مہمان نوازی کرتا ہو اَور مکہ کی ریاست کا سربراہ ہو، جس کے قیصر روم سے تعلّقات ہوں، جس کے شہنشاہ ایران سے ذاتی تعلّقات ہوں، جس کے نام سے تجارتی قافلے محفوظ رہتے ہوں، اُس کے بارے میں یہ کہنا کہ کم تر خاندان تھا، یہ بالکل جہالت اَور بے بنیاد بات ہے۔ لیکن چوں کہ یہ دونوں خاندان بہت نمایاں تھے، اُس وقت امیہ کا دعویٰ تھا کہ مجھے جانشین ہونا چاہئے اَور جناب ہاشم کا خیال تھا کہ اُن کو جانشین ہونا چاہئے۔ اُسی زمانے میں ایک اَور ادارہ تھا جو منافرہ کہلاتا تھا۔ اُردو میں منافرت کے معنی اَور ہو گئے لیکن عربی میں منافرہ کے معنی ہیں دوفریقوں کا آپس میں مقابلہ کرنا۔ وہ دعوتِ نفیر دیں، اپنے آدمیوں کو اَور یہ دعوتِ نفیر دیں اپنے آدمیوں کو۔ اِس کو منافرہ کہتے ہیں۔ لیکن منافرہ سے مراد یہ تھی کہ اگر دو

آدمیوں میں سرداری کا دعویٰ ہو اَور دونوں کا دعویٰ مساوی ہو اَور کوئی حل نہ ہو سکے تو پھر منافرت کے سربراہ سے کہا جائے کہ وہ طے کرے۔ یہ منصب حضرت عمرؓ بن خطاب کے خاندان کو حاصل تھا اَور حضرت عمرؓ کے والد خطاب ابن نوفل نے یہ طے کیا تھا کہ اِن دونوں کے درمیان سربراہ کون ہوگا، انہوں نے دونوں کا دعویٰ سن کر یہ طے کیا تھا کہ جناب ہاشم سربراہ ہوں گے، اُس کے بعد عبدالمطلب سربراہ ہوئے۔ جب ابرہہ کا حملہ تو وہ سربراہ تھے، لیکن مستشرقین نے اِن تمام حقائق کا نظرانداز کر کے کس بنیاد پر کیسے یہ بات کہہ دی؟ یا تو غلط فہمی کی بنیاد پر کہی، یا غلط ترجمے کی بنیاد پر کہی۔

غلط ترجمے بھی مستشرقین کے بہت ہوتے ہیں۔ مضحکہ خیز ترجمے بھی ہوتے ہیں۔ ایک بڑا مشہور مستشرق تھا، عربی کا پروفیسر تھا، ڈی۔ ایس مارگولیتھ D. S. Margoliout (۲۵) اِس نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ کئی کتابیں مدون اور ایڈٹ کی ہیں، کئی کتب کے ترجمے کئے ہیں۔ اِس نے کسی کتاب کے ترجمے میں بڑی معنی خیز بات لکھی ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اَور سیّدہ خدیجہؓ نبوت سے پہلے جس مکان میں رہا کرتے تھے، اُس مکان کے برابر میں کوئی قریشی خاندان رہتا تھا، جو رات کو سونے سے پہلے بتوں کی پرستش کیا کرتا تھا اَور رات کو شور مچاتا تھا۔ اِس پرستش کے دَوران نبی کریم ﷺ کی نیند میں یا عبادت میں خلل پڑتا تھا تو ایک مرتبہ آپ ﷺ نے غصّے میں فرمایا کہ میں تمہارے لات و منات و عزیٰ سے اِظہارِ برأت کرتا ہوں، میں اِن بتوں سے نفرت کرتا ہوں، میں اِن بتوں کو ناپسند کرتا ہوں۔ اِس کے بعد راوی کا جملہ ہے:

و کانت ھذہ اصنام یعبدونھا قبل اسلام

یہ وہ بت تھے جن کو وہ لوگ اِسلام سے پہلے پوجا کرتے تھے۔

اُس کا اشارہ اُن لوگوں کی طرف تھا جن کے گھر سے شور کی آوازیں آتی تھیں، اگر کتاب کا اشارہ حضور ﷺ اَور حضرت خدیجہؓ کی طرف ہوتا تو وہ نعوذ باللہ یہ لکھتا:

و کانا یعبد انھا

یہ دونوں پوجا کیا کرتے تھے۔

لیکن وہاں صیغہ جمع ہے **و کانت ھذہ اصنام یعبدونھا** کے الفاظ ہیں، ''وہ لوگ

جو جو شور مچاتے تھے، وہ لوگ جو پوجا کرتے تھے'' ۔اب مارگولیتھ نے ایک پورا باب لکھ دیا کہ ''بت پرستی تو حضور ﷺ کے خاندان میں بھی عام تھی اَور، رسول اللہ ﷺ نے بھی نبوت سے پہلے بت پرستی کا رویہ اختیار رکئے رکھا'' ۔ چناں چہ یہ روایت موجود ہے۔اب وہ بھول گئے کہ اگر پہلے جملے میں اِظہارِنفرت ہے، اگر ایک جملے میں پہلے اِظہار برأت ہے، تبرّا ہے، تو پھر عبادت کرنے کے کیا معنی ہیں؟ دونوں میں تعارض و تناقض ہے، دونوں بہ یک وقت درست نہیں ہو سکتے ،لیکن لکھنے والے نے لکھ دیا ، قبول کرنے والوں نے قبول کرلیا۔ اِس طرح کی غلطیاں بھی کئی ہوئیں۔

اِسی مستشرق مارگولیتھ نے لکھا ہے کہ غزوہ بدر میں جب پہلی مرتبہ تیر اندازی ہوئی، تلوار چلی اَور خون نکلا تو رسول اللہ ﷺ خون کو دیکھ کر ڈر گئے اَور بے ہوش ہوگئے۔ یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی مرتبہ خون دیکھا کہاں سے نکلی؟ یہ بات سیرت ابن ہشام کی ایک روایت سے نکلی ،جس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ جب تک میں نہ کہوں تم حملہ مت کرو، اَور رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک عریش (چھپر) بنایا گیا تھا جو مسلمانوں کی فوج سے پہلے ایک چٹان پر تھا۔ وہاں رسول اللہ ﷺ تمام رات عبادت فرماتے رہے، آپ نے اِتنی عبادت فرمائی کہ سیّدنا ابوبکر صدیقؓ کو ترس آیا کہ آپ ﷺ تھوڑی دیر آرام کرلیں، اَور وہ چادر جو آپ ﷺ کے کندھے پر تھی وہ بار بار گر جاتی تھی یعنی آہ و بکا سے جسمِ مبارک حرکت کرتا تھا، ایک لرزہ آتا تھا، جس سے چادر مبارک گر جاتی تھی اَور صدیق اکبرؓ دوبارہ اُس چادر کو کندھے پر ڈال دیا کرتے تھے اَور کہتے تھے کہ آپ ﷺ تسلّی رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ کو فتح سے ہم کنار فرمائے گا۔ پوری رات اِسی کیفیت میں گزری، فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی تھوڑی دیر کے لئے آنکھ لگ گئی۔ اِس کے بعد روایت میں آتا ہے:

لَمّا ابدأ القتال فزع رسول اللہ ﷺ

یعنی جنگ شروع ہوئی تو رسول اللہ گھبرا کر اُٹھے۔

فزع کے معنی ہیں کسی چیز کو دیکھ کر گھبرا کے ایک دم اُٹھنا۔تو آپ ﷺ نے کہا کہ میں نے کہا تھا کہ میرے پوچھے بغیر حملہ مت کرنا۔ اِس سے اِس مستشرق نے یہ بات نکالی کہ جب جنگ شروع ہوئی تو نعوذ باللہ آپ ﷺ لرز گئے، ڈر گئے اَور بے ہوش ہوگئے۔ حال آں

کہ فزع کے معنی بے ہوش ہونے کے کہیں نہیں آئے۔عربی زبان میں مجازاً بھی فزع کے معنی بے ہوشی کے نہیں ہیں۔فزع کے معنی کسی غیر متوقع چیز کو اچانک دیکھ کر گھبرانے کے ہیں، یا یہ لفظ ردِّعمل کے لئے آتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔مستشرقین کی اِس طرح کی غلطیاں دیانت دارانہ تھیں یا بدنیتی سے تھیں؟ اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس کی بہت ساری مثالیں ہیں، اگر وہ بیان کی جائیں تو بات لمبی ہوجائے گی۔

جو چیزیں تواتر سے دُہرائی جارہی ہیں، اُن میں ایک تو غزوات کے محرکات ہیں۔ غزوات کے محرکات مستشرقین کے خیال میں لوٹ مار تھے۔مہاجرین کے پاس کوئی ذریعہ آمدنی نہیں تھا۔ مکے سے لُٹ پِٹ کے آئے تھے،سوائے اِس کے کہ قریش کے تجارتی قافلوں کو لوٹیں اَور اُن کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں تھا، اِس لئے وہ قافلوں کو لوٹا کرتے تھے،اورغزوات کا یہی مقصود تھا۔دوسرا تعددِ اَزدواج کے بارے میں وہ بہت سی باتیں لکھتے ہیں۔اِن میں سے ہر چیز کا جواب مسلمان علما تفصیل سے دے چکے ہیں۔ ہر ہر غزوے کے بارے میں الگ الگ تحقیق ہوچکی ہے۔ ہر غزوے کے بارے میں تفصیل بیان ہوچکی ہے۔لیکن غزوے کے لفظ سمجھنے میں بھی خود مسلمانوں سے غلطی ہوئی ہے۔غزوے کے لغوی معنی تو جنگ کرنے کے ہیں اَور غزوہ کے معنی ہیں جنگ یا جنگ کا ایک سیشن یا ایک مرحلہ،اس کو غزوہ کہا جائے گا،لیکن محدثین کی اصطلاح میں غزوہ سے مراد، رسول اللہ ﷺ کی وہ مہمات ہیں جن میں آپ بہ نفس نفیس مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے، چاہے جنگ کے لئے یا کسی اَور اِرادے سے تشریف لے گئے ہوں، اِن سب کو محدثین غزوے کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں۔چناں چہ صحیح بخاری میں کتاب المغازی میں باب غزوات النبی ﷺ میں جہاں غزوات کا ذِکر ہے، وہاں صلح حدیبیہ کا بھی ذِکر ہے،عمرۃ القضا کا بھی ذِکر ہے،اُن مہمات کا بھی ذِکر ہے جن کا مقصد صرف دوستانہ معاہدے کرنا تھا۔بنوزہرہ سے معاہدے کے لئے جو مدینہ منورہ کے قریب ایک قبیلہ بستا تھا، رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے۔حضور ﷺ نے مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں بسنے والے تمام قبائل سے دوستانہ معاہدے کئے، تاکہ مدینہ منورہ کے اِردگرد ایک دوستانہ ماحول پیدا ہوجائے۔چناں چہ مدینہ منورہ کے چاروں طرف مختلف قبائل تھے، اُن سے معاہدے کئے۔ اِس سفر کو بھی امام بخاریؒ نے باب الغزوات میں بیان کیا ہے۔اِس سے

معلوم ہوا کہ محدثین کی اصطلاح میں غزوہ ایک عام لفظ ہے، اَور ہر اُس بیرونی مہم کے لئے استعمال ہوا ہے جس کی قیادت خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہو، چاہے اُس میں جنگ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ غزوہ تبوک میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے گئے، وہاں جنگ نہیں ہوئی، لیکن تبوک کے قیام کے دَوران رسول اللہ ﷺ نے مختلف علاقوں کے چھوٹے چھوٹے سفر فرمائے اَور اِن چھوٹے چھوٹے سفروں کے دَوران مختلف قبائلی سرداروں سے دوستی کے معاہدے کئے، یا وہ اِسلام لے آئے، یا اُن سے اہل الذمّہ کے معاہدے کئے۔ اِن سب کے لئے محدثین نے غزوے کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ غزوہ اکیدر کے لئے نکلے، غزوہ دومۃ الجندل کے لئے نکلے، فلاں فلاں غزوے کے لئے نکلے۔ اِس لئے جب غزوہ کا لفظ آتا ہے تو اگر اُس کے معنی صرف جنگ لے لئے جائیں تو اِس کا مفہوم اَور ہوگا اَور اگر اس کے معنی مہم کے لئے جائیں گے تو اس کا مفہوم اَور ہوگا۔

غزوات کے محرکات کے بارے میں جو غلط فہمی یا اُلجھن پیدا ہوئی ہے، اُس میں بعض راوِیوں کی ذمے داری ہے۔ اِن راوِیوں کی رِوایت کی وجہ سے بھی غلط فہمی پیدا ہوئی، جن کا مقصد صرف غزوات کی تفصیلات کو جمع کرنا تھا۔ مثال کے طَور پر میں واقدی کا حوالہ دوبارہ دیتا ہوں۔ واقدی کی کتاب المغازی ہے۔ تین ضخیم جلدوں میں ہے، اِس میں اُس نے غزوۂ بدر سے لے کر آخر تک تمام غزوات کی تفصیلات جمع کی ہیں۔ واقدی کا مقصد، دعوتِ اِسلام کی تاریخ بیان کرنا نہیں ہے، واقدی کا مقصد، مسلمانوں کے بین الاقوامی تعلّقات کی تفصیلات بیان کرنا بھی نہیں ہے، واقدی کا مقصد، فقہی احکام بیان کرنا بھی نہیں ہے۔ واقدی کا مقصد یہ ہے کہ غزوۂ بدر کی تفصیلات جتنی غزوے سے بہ راہِ راست متعلّق ہیں، وہ جمع ہو جائیں۔ چناں چہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان جب نکلے تو اُن کی تعداد کیا تھی؟ اسلحہ کتنا تھا؟ کُفار جو آئے، اُن کی تعداد کتنی تھی؟ اُن کے پاس اسلحہ کتنا تھا؟ اَور جب جنگ ختم ہوئی تو اُس کا نتیجہ کیا نکلا؟ کتنے لوگ مسلمانوں کے شہید ہوئے؟ کتنے لوگ کُفار کے مارے گئے؟ مسلمانوں کو کتنا مالِ غنیمت ہاتھ آیا؟ پس اگر صرف کتاب المغازی کو پڑھا جائے اَور ہر غزوے کے بعد یہ لکھا ہوا ہو کہ مسلمانوں کو پانچ سو اونٹ ملے۔ چار سو اونٹ ملے، اِتنا سونا ملا، اِتنی چاندی ملی، تو یہ تاثر پیدا ہوسکتا ہے کہ اِن غزوات کا اِس کے علاوہ کوئی مقصد نہیں تھا۔ یہ تاثر اِس لئے دُرست نہیں کہ نہ

غزوات اِس مقصد کے لئے تھے اَور نہ ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت قبول فرمایا۔ بعض مواقع پر مالِ غنیمت حاصل کرنے کے بعد مفتوحین کو واپس کر دیا۔ ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ بعض مواقع ایسے ہیں کہ مالِ غنیمت ملا اَور وہیں کے مقامی نومسلموں میں تقسیم کر دیا گیا، جو مجاہدین تھے اُنہیں کچھ نہیں ملا۔ چناں چہ کم از کم ایک موقع پر بعض نوجوان انصاری صحابہؓ کو شکایت بھی ہوئی کہ تلواروں سے ہماری خون ٹپک رہا ہے اَور دَولت فلاں فلاں کو دے دی گئی۔ یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے بیان فرمایا اور صورت حال کی وضاحت کی تو انصاری صحابہؓ پر اِس کا بڑا اثر ہو، لیکن چوں کہ یہ موضوعات واقدی کی دِل چسپی کے نہیں ہیں، یہ واقدی کا میدان نہیں تھا، اِس لئے اس نے انہیں اہتمام سے بیان نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے غلط فہمی آسانی سے پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک اَور غلط فہمی جس پر بہت تفصیل سے آج کل لکھا جا رہا ہے، کتابیں آ رہی ہیں، مقالات آ رہے ہیں اَور مغربی دُنیا کے یہودی اِس میں پیش پیش ہیں، وہ یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کا طرزِ عمل ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو عرب کے نو قبائل وہاں آباد تھے، اُن میں سے تین تو مشہور ہیں، جن کا تذکرہ ملتا ہے لیکن چھوٹے بڑے ملا کل نو قبائل وہاں رہتے تھے، اِن نو قبائل کے علاوہ بھی بعض انصاری قبائل میں یہودی بچّے تھے۔ یہ آپ کے علم میں ہوگا کہ بعض انصاری خاندانوں میں یہ رِواج تھا کہ جس خاتون کے بچّے مرتے تھے تو وہ منّت مانا کرتی تھی کہ اگر بچّہ زندہ رہا تو میں اسے یہودی بنوا دوں گی۔ وہ بچّے کو پیدا ہوتے ہی یہودی ربیوں کے حوالے کیا کرتی تھیں۔ وہاں وہ پرورش پاتا تھا، ایسے انصاری قبائل میں بھی یہودی موجود تھے، اُن میں سے تین بڑے قبائل ہیں جن کا صراحت سے تذکرہ ملتا ہے۔ بنونضیر، بنوقینقاع اَور بنوقریظہ۔ اِن سب سے رسول اللہ ﷺ نے معاہدے فرمائے اَور غزوۂ بدر کے اِن کو میثاقِ مدینہ میں بھی شامل فرمایا۔ میثاقِ مدینہ جو ہجرت کے فوراً بعد ہوا تھا اُس میں (یہ بات ہمیشہ یاد رکھئے گا) یہودی شامل نہیں تھے وہ صرف قریش اَور مدینے کے قبائل (اَوس وخزرج) کے درمیان ہوا تھا۔ یہودی اِس میں غزوۂ بدر کے بعد شامل ہوئے۔ غزوۂ بدر جب ہوا اَور کفارِ مکہ کو شکست ہوئی اَور یہ طے ہوگیا کہ مسلمان یہاں مستقل طَور پر آباد رہیں گے اَور اِس علاقے کے ایک بااثر طبقے کی حیثیت سے رہیں گے تو یہودیوں کو

اپنے مستقبل کے حوالے سے خطرہ محسوس ہوا۔ اِس سے پہلے اُن کا خیال تھا کہ مدینے میں مسلمانوں کا قیام عارضی ہے۔ قریش اِس کو چلنے نہیں دیں گے، قریش کی شکست کے بعد یہودیوں نے کہا کہ آپ ﷺ ہمیں بھی اِس معاہدے میں شامل کرلیں اَور یہ بات امام ابوداوَدؒ نے نقل کی ہے، سنن ابی داوَد میں انہوں نے ایک باب باندھا ہے، کتاب الجہاد میں **باب کیف کان اخراج لیھود من المدینة المنورة** ''مدینہ منورہ سے یہودیوں کا اخراج کیسے ہوا؟''۔ اِس باب میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد یہودیوں نے کہا کہ آپ ﷺ ہمیں بھی میثاقِ مدینہ میں شامل کرلیں تو رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو بھی شامل کرلیا۔ اگر آپ میثاقِ مدینہ پڑھیں تو میثاقِ مدینہ کی جو ۲۰ یا ۲۲ دفعات ہیں، اُن میں یہودیوں کا کوئی ذِکر نہیں ہے، صرف قریش اَور مہاجرین کا ذِکر ہے، مہاجرین اَور اَوس وخزرج اَور بنی عوف کا ذِکر ہے۔ اِس کے بعد ۲۲ ویں اَور ۲۳ ویں دفعہ میں آتا ہے:

وان لیھود بنی عوف ما للمومنین

بنی عوف کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں۔

و ان الیھود بنی عوف امة مع المؤمنین

بنی عوف کے یہودی بھی مسلمانوں کے ساتھ ایک الگ اُمت ہوں گے۔

اَور پھر ساری دفعات یہودیوں کے لئے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ دو الگ الگ دستاویزات تھیں، ایک پہلے تیار ہوئی اَور ایک بعد میں تیار ہوئی۔ یہ بات اگر سامنے رہے اَور پھر یہ بات سامنے ہو کہ یہودیوں کے خلاف جو کارروائی ہوئی، وہ غزوۂ بدر کے فوراً بعد شروع ہوئی، اُن یہودیوں کے خلاف جو مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں آباد تھے، جن میں کعب بن اشرف بھی تھا۔ کعب بن اشرف ایک یہودی قبیلے کا سردار تھا، خود بھی شاعر تھا اَور اپنی شعری صلاحیتوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی شان میں بھی گستاخیاں کرتا تھا اَور شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی کی سزا شریعت میں موت ہے وہ مسلمان کرے یا غیر مسلم کرے۔ مسلمان کرے گا تو حداً اَور غیر مسلم کرے گا تو تعزیراً اَور سیاستاً اُس کو قتل کردیا جائے گا۔ پاکستان کے قانون میں بھی یہی ہے۔ سیرت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ فقہائے کرام کا متفق علیہ نقطۂ نظر یہی ہے۔ چناں چہ کعب بن اشرف کو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قتل کردیا گیا۔ کعب بن

اشرف نہ تو اُس وقت مدینہ منورہ کا شہری تھا، نہ مدینہ منورہ میں رہتا تھا، نہ اُس وقت تک اُس سے معاہدہ تھا۔ وہ ایک محارب قبیلے کا محارب سردار تھا اَور ایک برسرِ جنگ قوم کا برسرِ جنگ قائد تھا۔ حالتِ جنگ میں دُشمن فوج کے سربراہ کو قتل کر دینا، دُنیا کے ہر قانون میں جائز ہے، اِس لئے یہ بات کہ یہودی میثاقِ مدینہ میں غزوۂ بدر کے بعد شامل ہوئے ہیں۔ یہ بڑی اہم بات ہے اَور سنن ابی داؤد میں اِس کی تصریح موجود ہے۔ اِس کے بعد یہ تینوں بڑے قبائل اِس میں شامل ہوگئے۔ ان میں سے ایک ایک کر کے تمام قبائل نے غداری کی اَور جس نے غداری کی اُس کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا۔ اِس طرح نکالا گیا کہ اُن کو تمام مراعات اَور سہولتوں کے ساتھ اجازت دی گئی کہ وہ مدینہ منورہ سے چلے جائیں۔ چناں چہ بنو نضیر کے یہودی، وادیٔ القریٰ اَور خیبر میں جا کے بس گئے، حتیٰ کہ وہ اپنی کھڑکیوں اَور دروازوں کے چوکھٹ میں اُتار کر لے گئے۔ اِسی طرح کی غداری بنی قینقاع نے کی، وہ بھی چلے گئے۔ اب اِس پر یہودی یہ اعتراض کرتے چلے آرہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (نعوذ باللہ) اَور مسلمانوں نے غداری کی۔ جب کم زور تھے تو معاہدہ کرلیا اَور جب طاقت ور ہوگئے تو اُن کو نکال باہر کیا۔ یہ سب اِس وجہ سے ہے کہ اِن سب تفصیلات اَور تعلّقات کے نشیب و فراز سامنے نہیں ہیں۔ کوئی بھی حکومت اپنے دارالحکومت کے اندر دُشمن سرگرمیوں کی اجازت نہیں دے سکتی۔ اگر معاہدہ تھا تو وہ پُر امن شہری کے طَور پر رہنے کے لئے تھا، وہ اندر سے دُشمنی پر مبنی کارروائیوں کے لئے نہیں تھا۔ ان جارحانہ کارروائیوں Hostile Acvtivities پر بھی کوئی کارروائی نہیں ہوئی، صرف اُن کو جلا وطن کرنے پر اکتفا کیا گیا اَور تمام مراعات کے ساتھ جہاں وہ چاہتے تھے وہاں بسا دیا گیا، چناں چہ وہاں جا کر بس گئے۔

یہودیوں پر کتابیں بعض یہودی مصنفین نے لکھی ہیں اَور اُن کے بارے میں وہ تمام جھوٹ سچ جو یہودی پھیلاتے رہے ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ بنو قریظہ نے عین حالتِ جنگ کے دَوران غداری کی۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر اندر سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا جو ناکام ہوگیا۔ لیکن اگر کوئی قوم کسی ریاست کے دارالحکومت کے اندر رہتی ہو اَور بہ حیثیت قوم وہ غداری کی مرتکب ہو، بہ حیثیت قوم، وہ بیرونی حملہ آوروں کے لئے راستہ کھولنے کے لئے آمادہ ہو، تو اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ آج کوئی پاکستان میں رہتا ہو اَور ہندوستان کی فوج حملہ

آور ہو، اُن سے طے کر کے کہے کہ جی آیئے، ہم آپ کے لئے فلاں فلاں دروازہ کھول دیں گے، تو حکومتِ پاکستان کو کیا کرنا چاہئے؟ ان سب کے خلاف کارروائی کرنا پڑے گی۔ یہی ہوگا اَور ہر جگہ یہی ہوتا ہے۔ اِس لئے بنی قریظہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اَور بنوقریظہ نے جس کو حَکَم مقرر کیا تھا، اُن کے مقرر کردہ حَکَم حضرت سعدؓ بن معاذ نے فیصلہ کیا اَور تورات کے احکام کے مطابق کیا۔ تورات میں اِس وقت بھی یہی لکھا ہوا ہے۔ آپ کہیں سے بائبل کا عہدنامہ قدیم Old Testament منگوا کر دیکھ لیں۔ اس میں آج بھی یہی لکھا ہوا ہے کہ جب تمہیں کامیابی حاصل ہو اَور تمہارا دُشمن غداری کرے تو اُس کی عورتوں اَور بچوں کو غلام بنالو، تمام بالغ مردوں کو قتل کر دو۔ اگرچہ یہاں تمام بالغ مردوں کو قتل نہیں کیا گیا، بہت سے لوگوں کو چھوڑا گیا، بہت سے لوگوں کو رہا کیا گیا، بہت سے لوگوں کو معاف کیا گیا، لیکن جو لوگ غداری کے مرتکب تھے، اُن کو سزا دی گئی۔

ضمناً یہ بات دِلچسپی کی ہے اَور آپ میں سے کسی کو ذَوق ہو تو اِس پہ تحقیق کر لے کہ بنوقریظہ کے جو یہودی قتل کئے گئے اُن کی تعداد کیا تھی؟ بعض روایات میں آتا ہے کہ ۶۴ تھی، بہ ظاہر ۶۴ یہودی اگر قتل کئے گئے تو یہ بات کہ تمام مردانِ جنگی کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا درست معلوم نہیں ہوتی، ایک پورے قبیلے میں صرف ۶۴ آدمی ہوں، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ مردوں کی تعداد ۶۰۰ سے زائد تھی، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اصل میں مردوں کی تعداد ۶۴۰ ہو اَور صفر کا عدد کہیں مٹ گیا ہو یا گم ہو گیا ہو، یا اصل میں ۶۴ ہوں اور غلطی سے صفر بڑھ گیا ہو، دونوں چیزوں کا امکان ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ مرد سو سے اوپر تھے، چھ سو بھی تو سو سے اوپر ہوتے ہیں، ہزار بھی سو سے اوپر ہوتے ہیں۔ لیکنً بہ ظاہر سو سے اوپر محدود ہوتے ہیں۔ لگتا ہے، بیس، تیس اوپر ہوں گے، چالیس اوپر ہوں گے۔ یہ معاملہ تحقیق طلب ہے۔ آج سے چند سال پہلے ہندوستان کے ایک صاحب برکات احمد نے، جو ہندستان کے سفیر بھی تھے، مسلکاً قادیانی ہیں۔ (۲۶) ایک کتاب لکھی تھی The Jews of Madina۔ اُس میں انہوں نے تحقیق سے ثابت کیا کہ بنوقریظہ کے ۶۴ آدمی قتل کئے گئے تھے۔ ممکن ہے ۶۴ ہوں، لیکن انہوں نے یہ کتاب کیوں لکھی؟ کس مقصد سے لکھی؟ اللہ بہتر جانتا ہے۔

مستشرقین نے سیرت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ اِس انداز سے لکھا ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اِن میں تین طرح کے گروہ ہیں۔ایک بہت چھوٹا گروہ، وہ ہے جو مجتہدانہ نظر سے لکھتا ہے، جن میں سے ایک مثال این میری شمیل کی دی تھی، اِن کی کتاب اچھی ہے۔ کچھ وہ لوگ ہیں، جن کا انداز تو بہت زیادہ روادانہ اَور دوستانہ نہیں ہے لیکن معاندانہ بھی نہیں ہے، کہیں کہیں وہ جزوی طَور پر گڑ بڑ تو کرتے ہیں، لیکن عموماً اِن کی کتابیں ٹھیک ہوتی ہیں۔ابھی حال ہی میں دس پندرہ سال پہلے ایک کتاب شائع ہوئی ہے: Muhammad in Europe۔اچھی کتاب ہے۔کتاب کا لکھنے والا کسی مغربی ملک کا ہے، اِس کتاب میں اُس نے پہلے سیرت کا خلاصہ بیان کیا ہے، جو درست ہے، اُس میں کوئی بات کم زور معلوم نہیں ہوتی۔اِس کے بعد یہ لکھا کہ یورپ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کیا تاثر Perception رہا ہے اور کس انداز سے لوگ لکھتے رہے ہیں، گویا صلیبی جنگوں سے لے کر بیسویں صدی تک کے مستشرقین کی تاریخ دی ہے(۲۷)۔فرنچ میں ایک دو کتابیں ہیں، وہ بھی اچھی ہیں۔لیکن بڑی تعداد اُن مستشرقین کی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں کوئی نہ کوئی عناد کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہیں اَور کسی نہ کسی قسم کی غلط فہمیاں پیدا کرنا دانستہ یا نادانستہ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔اِن کی تحریروں سے کوئی نہ کوئی غلط فہمی ضرور پیدا ہوتی ہے۔کوئی اَور غلط فہمی نہ بھی ہو لیکن یہ غلط فہمی تو ہر ایک پیدا کرتا ہے کہ جو قانون یا احکامات، شریعت نے دیے ہیں، وہ یہودیوں سے یا پُرانی کتابوں سے ماخوذ ہیں، ورنہ مسلمانوں کے پاس ایسے ذرائع نہ تھے کہ وہ شریعت کو مدوِن کر سکتے۔

بحیرہ راہب کا قصّہ آپ نے سنا ہوگا۔روایت موجود ہے۔محدثین اِسے کم زور سمجھتے ہیں۔بعض نے شدّت سے اِسے موضوع کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک بارہ سال تھی، تو آپ ﷺ، جناب ابو طالب کے ساتھ تجارتی قافلے پر شام تشریف لے گئے۔ابو طالب جا رہے تھے، حضور ﷺ، چھوٹی عمر کے تھے، آپ نے اصرار کیا کہ، میں تنہا نہیں رہوں گا، ابو طالب، اُن کو اپنے ساتھ لے گئے۔وہاں ایک جگہ بصریٰ شہر ہے، وہاں ایک درخت ہے، جو ابھی تک ہے، میں نے بھی دیکھا ہے۔اِس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ وُہی درخت ہے جس کے نیچے حضور ﷺ آ کر ٹھہرے تھے۔(اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ صحیح ہے یا

غلط)۔ یہاں بحیرہ راہب کا عبادت خانہ تھا۔ بحیرہ جو بہت معمر راہب تھا، وہ کبھی اپنے عبادت خانے سے نہیں نکلا تھا، اُس دِن وہ نکل کر باہر آیا، قریش کے قافلے سے ملا۔ ہر ایک سے پوچھا۔ ایک ایک کر کے دیکھا۔ حضور ﷺ کے قریب آیا، قریب بلایا، ہر طرح سے دیکھا، نام پوچھا، پھر کہا کہ اپنی کمر مجھے دِکھاؤ، کمر دیکھی۔ وہاں مہرِ نبوت کا نشان تھا، وہ دیکھا تو ابوطالب سے پوچھا، آپ اِس کے کون ہیں؟ ابوطالب نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اُس نے کہا: آپ اِس کے باپ نہیں ہو سکتے۔ اُنہوں نے کہا، نہیں، میں اِس کا چچا ہوں۔ اُس نے پوچھا کہ اِن کے والد کا انتقال اِن کی پیدائش سے پہلے ہوگیا تھا؟ ابوطالب نے کہا: ہاں۔ کہنے لگا: ماں کا اِنتقال بھی ہوگیا ہے؟ ابوطالب نے کہا: ہاں، ماں کا اِنتقال بھی ہوگیا ہے۔ اُس نے کہا، تم اِن کو لے جاؤ، اِن کی بڑی شان ہوگی، اگر یہودی اِن کو دیکھ لیں گے تو قتل کر دیں گے، لہٰذا، تم اِن کو فوراً لے جاؤ۔ تو جناب ابوطالب نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اَور حضرت بلالؓ کے ساتھ حضور ﷺ کو واپس بھیج دیا۔ یہ واقعہ بعض کتبِ سیرت میں آتا ہے۔ ان کتبِ سیرت میں جن کی رِوایات بڑی ضعیف ہیں۔ اِس کی بنیاد پر مستشرقین نے لکھا ہے کہ بحیرہ نے اس گفت گو میں تمام مذہبی عقائد حضور ﷺ کو بتائے: توحید، رسالت، آخرت، جبر و قدر اَور مکارمِ اخلاق، رذائل اخلاق، سب بتلا دیے اَور حضور ﷺ، بعد میں اُن ہی کو سوچتے رہے، غور کرتے رہے اَور جب یہ خیالات پختہ ہو گئے تو بہ طورِ وحی کے اُن کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ یہ بات وہ لکھتے رہتے ہیں اَور اُن کا دعویٰ ہے کہ اِسلام کی تعلیم کا ماخذ عیسائی تعلیمات ہیں اَور بحیرہ راہب کے ذریعے حضور ﷺ تک منتقل ہوئیں۔

مجھ سے ایک صاحب نے اس کے بارے میں پوچھا، تو میں نے کہا کہ اوّل تو تمام سیرت نگاروں اَور محدثین نے اِس روایت کو کم زور اَور ضعیف قرار دیا ہے، یہ دُرست نہیں ہے، بالفرض میں مان لیتا ہوں کہ یہ روایت دُرست ہے تو یہ خود نبوت کی دلیل ہے۔ ایک بارہ سالہ بچے کو دس سال کے بچے کے ساتھ موجودہ اُردن سے مکہ مکرمہ واپس بھیج دیا گیا۔ جناب ابوبکر صدیقؓ، حضور ﷺ سے دو سال چھوٹے تھے۔ جب حضور ﷺ بارہ سال کے ہوں گے تو وہ دس سال کے ہوں گے۔ حضور ﷺ تیرہ کے ہوں گے تو وہ گیارہ کے ہوں گے، اَور ایسے غلام کے ساتھ بھیجا جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا، جناب بلالؓ تو اُس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اَور

پیدا ابھی ہو گئے ہوں تو ماں کی گود میں ہوں گے اَور وہ اُس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام بھی نہیں تھے۔ بعد میں وہ اُن کے غلام ہوئے ہیں، پیدا ہونے سے پہلے غلام کو بھیج دیا گیا کہ اِن کی حفاظت کرو اَور گیارہ سالہ بچّے کو بھیجا گیا کہ تیرہ سالہ بچّے کی حفاظت کرو۔ یہ دونوں تن تنہا اُردن سے چل کے پورا صحرا، ریگستان سے ہوتے ہوئے مکہ پہنچ گئے اَور وہ چند گھنٹے یا چند منٹ کی ملاقات میں اِتنے علوم و معارف، آپ ﷺ نے یاد کر لئے کہ تیس سال تک محفوظ رہے۔ پھر اِسی انداز سے لوگوں کے سامنے مسلسل ۲۳ سال تک بیان کرتے رہے۔ یہ کام نبی ہی کر سکتا ہے۔ یہ کام نبی کے علاوہ کوئی اَور نہیں کر سکتا۔ اس طرح اگر یہ قصہ درست بھی مان لیا جائے تو یہ خود نبوت کی دلیل ہے۔

لیکن مستشرقین اِس طرح کے اعتراضات مسلسل اُٹھاتے رہتے ہیں، ابھی حال ہی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ لکھنے والا کوئی مسلمان مرتد معلوم ہوتا ہے، اِس لئے اُس نے یہ کتاب ایک فرضی نام ابن الراوندی کے نام سے لکھی ہے اَور اپنے آپ کو لکھا ہے کہ میں مسلمان مرتد ہوں اَور انتہا پسندوں کے خوف سے اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے کئی لوگوں سے پوچھا جو امریکہ وغیرہ میں رہے ہیں کہ یہ کون شخص ہے؟ لیکن کسی نے نہیں بتایا کہ یہ کون ہے۔ ابن الراوندی کے نام سے اس نے دو کتابیں شائع کی ہیں۔ اِس میں اس نے ایک کتاب میں قرآن کے مآخذ کے بارے میں ایک مقالہ شامل کیا ہے (۲۸)۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تیسری، چوتھی صدی ہجری میں مسلمانوں نے قرآن کو مرتب کیا اَور جو مذہبی کتابیں شام عراق مصر میں مروج تھیں، اُن سے معلومات کو جمع کر کے ایک مرتب انداز میں کتاب بنادی، وہ مسلمانوں میں قرآن کہلاتی ہے۔ اِس طرح کے خیالات ہیں، جن پر کوئی سنجیدہ مغربی مصنّف بھی توجّہ نہیں دیتا اَور کسی سنجیدہ مغربی مصنّف نے بھی اِن کتابوں کو کبھی اِس قابل نہیں سمجھا کہ ان کو تحقیق کا کوئی معیار یا نمونہ سمجھا جائے۔

آج کل جو کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ وہ اِس طرح کے موضوعات پر لکھی جا رہی ہیں: سیرت کے مآخذ کے بارے میں شکوک، رسول اللہ ﷺ کی ذات پر جزوی اعتبار سے شبہات، جن میں سے بعض کی مثال میں نے دی، احادیث کے مستند یا غیر مستند ہونے کے بارے میں شکوک وہ پھیلاتے ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی اب احادیث کو چیلنج نہیں کرتے۔

مستشرقین قرآن پاک کوبھی چیلنج نہیں کرتے ۔ بہ حیثیت مجموعی رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کوبھی چیلنج نہیں کرتے ۔لیکن ایک بات بڑی بنیادی اَورسب سے اہم ہے ۔ وہ یہ ہے کہ آج تک کسی بڑے سے بڑے اسلام دشمن نے یوحنّا دمشقی سے لے کر آج کے زمانے کے مصنفین تک کسی نے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کوغیر تاریخی قرار نہیں دیا۔سب نے یہ مانا کہ حضور ﷺ کے نام کی ایک تاریخی شخصیت،حقیقتِ واقع میں موجود تھی ۔ ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کتابیں چھپیں کہ عیسیٰ کے نام کی کوئی شخصیت موجود نہیں تھی ۔ برٹرنڈ رسل Bertrand Russell (۲۹) نے لکھا ہے کہ میں نہیں مانتا کہ عیسیٰ نام کا کوئی آدمی تھا، یہ سب فرضی شخصیتیں ہیں ۔ یہ برٹرنڈ رسل کا مضمون ہے، میں نے پڑھا ہے ۔ وہ اپنے عہد کا بہت بڑا فلسفی تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کتابیں آئی ہیں کہ اِس نام کی کوئی شخصیت نہیں تھی،محض فرضی شخصیت ہے جیسا کہ ہندوؤں میں رام چندر جی اَور کرشنا وغیرہ کی شخصیتیں ہیں، پتا نہیں تھے کہ نہیں تھے، اِسی طرح کی شخصیتیں یہ بھی ہیں ۔لیکن آج تک کسی بڑے سے بڑے مخالف کوبھی رسول اللہ ﷺ کوکوئی فرضی یا تصوراتی شخصیت قرار دینے کی جرأت نہیں ہوئی ۔ گویا رسول اللہ ﷺ ،تاریخ انبیا میں وہ پہلے اَور آخری نبی ہیں ،جن کی شخصیت مکمّل طَور پر پوری تاریخ کی روشنی میں ہے، اِس کا کوئی گوشہ تاریخ کی روشنی سے باہر نہیں ہے اَور مسلمانوں کے نزدیک تو رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ ،اُن کی ہر تعلیم اَور ہر چیز اِس طرح محفوظ ہے کہ اِس طرح کوئی چیز دُنیا میں محفوظ نہیں ہے ۔ یہ جو مستشرقین کی جزوی چیزیں ہیں، یہ بھی اُسی طرح ختم ہوجائیں گی ،جس طرح باقی کاوِشیں ختم ہوگئیں ۔ باقی کاوِشیں بھی ایک ایک کر کے ختم ہوگئیں ۔ وہ کتابیں آج بھی کتب خانوں میں ہی ملتی ہیں، نہ اُن کو اُن کی قوم پڑھتی ہے، جہاں وہ چھپی ہیں، نہ اُن کے لکھنے والے آج زندہ رہے، نہ وہ خیالات آج دُنیا میں عام ہیں ۔ بہت سی کتابیں ایسی ہیں کہ آج کتب خانوں میں بھی موجود نہیں، اُن کے صرف نام ملتے ہیں ۔ نہ امریکہ، برطانیہ میں چھپیں اَور نہ یورپ میں چھپیں ۔ دُنیائے اِسلام میں تو چھپنے کا سوال ہی نہیں ۔لیکن جو کتابیں رسول اللہ ﷺ کی تائید میں لکھی گئیں یا صحیح خطوط پر لکھی گئیں، اُن کے چھپنے کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا۔ اُن کی طباعت کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔

پچھلے دِنوں اُردن کا ایک ادارہ ہے، اُس نے اسلامی علوم کے مخطوطات پر ایک کام کروایا اَور بیسیوں جلدوں میں ایک کتاب شائع کرائی، سو سے زیادہ اِس کی جلدیں ہیں۔ اِس میں چار بڑی جلدیں صحاح ستہ کے مخطوطات کے بارے میں ہیں کہ صحاح ستہ کے مخطوطات کہاں کہاں پائے جاتے ہیں۔ صرف صحیح مسلم کے دُنیا میں بائیس سو مخطوطات ہیں۔ مطبوعہ کتابیں اس کے علاوہ ہیں۔ دُنیا میں کسی کتاب کے اِتنے مخطوطے نہیں ملتے۔ بائیس سو مخطوطات ہیں، جن میں وہ مخطوطہ بھی شامل ہے جو امام مسلمؒ کے ایک تلمیذ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جب امام مسلمؒ، صحیح مسلم پڑھا رہے تھے تو وہ نسخہ اُس مجلس میں موجود تھا۔ یہ استناد تو تورات اَور انجیل کو بھی حاصل نہیں ہے۔ آج کوئی نسخہ تورات اَور انجیل کا ایسا نہیں ہے اَور نہ کسی ایسے نسخے کا تصور کیا جا سکتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مجلس میں موجود ہو۔ اُن کے کسی شاگرد کے شاگرد کے شاگرد کے شاگرد کی تحریر بھی موجود نہیں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ دیں، سینٹ پال (St. Paul) کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو اُس کے سامنے بیٹھ کر پڑھی گئی ہو۔ لیکن صحیح مسلم کا نسخہ موجود ہے جو امام مسلمؒ کے سامنے پڑھایا گیا اَور اِس کے علاوہ اِس کے بائیس سو نسخے دنیا میں موجود ہیں۔ اور یہ وہ نسخے ہیں جو کیٹلاگ (Catalogue) لائبریریوں میں ہیں، جو نسخے ذاتی لائبریریوں میں ہیں اَور جو ضائع ہو گئے اُن کا علم کسی کو بھی نہیں۔ صحیح بخاری کے اِس سے بھی زیادہ نسخے ہیں۔ قرآن پاک کے نسخے اُس سے بہت زیادہ ہیں۔

اِس گفت گو سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ استناد کے اعتبار سے سیرت کا علم کتنی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ کوئی بڑی سے بڑی کوشش، کوئی بڑی سے بڑی مساعی، اِس کو کم زور نہیں کر سکتی۔ یہ جزوی اعتراضات ہیں۔ یہ بھی ختم ہو جائیں گے جیسے بڑے اعتراضات ختم ہو گئے۔

و آخر دعوانا ان الحمد الله رب العالمین

حواشی وتعلیقات

۱۔ یوحنّا دمشقی :St. John of Damascus۔ پورا نام : منصور بن سرجون بن منصور التغلبی ۔شام کے ایک عرب عیسائی گھرانے میں تقریباً ۶۷۶ء میں پیدا ہوا۔اس کا دادامنصور، ہرقل کے دَور میں ٹیکس جمع کیا کرتا تھا۔اس کا باپ بھی بنوامیہ کے دور میں یہی کام کرتا تھا اور اُس نے خود بھی بنوامیہ کے دَور میں یہ کام کیا۔ پھر ملازمت چھوڑ دی اور راہب بن کر عیسائیت کی تبلیغ میں زندگی صرف کی ۔ اُس نے تعلیم اسلامی مدرسوں میں ہی حاصل کی تھی ۔عربی زبان میں مختلف فرقوں کے خلاف اور عیسائیت کی حقانیت کی بابت تصانیف اس کے نام سے مشہور ہیں۔ دسمبر ۷۴۹ء میں بیت المقدس کے قریب بارسبا میں انتقال کیا۔اسلام کے خلاف اس کی کتاب(Cocerning Heresy (Peri Haireseon کا دسواں باب ہے جس میں اُس نے اسماعیلیوں کے خلاف لکھا ہے۔ اُس دور کے عیسائی مسلمانوں کے لئے اسماعیلی کالفظ استعمال کیا کرتے تھے۔

۲۔ مشرقی سلطنت روما کے پورے عرصے میں شام سے مراد، آج کی سیاسی وجغرافیائی تقسیم کے مطابق، موجودہ شام، لبنان، فلسطین اور اُردن کے علاقے ہیں۔

۳۔ یورپ میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد بدنام زمانہ سائکس پیکو معاہدے Sykes-Picot Agreement کے تحت جسے بعد میں انجمن اقوام کے تحت ایک معاہدے کی شکل دے دی گئی، شام اَور لبنان کے ساتھ ساتھ ایشیائی ترکی کا کچھ حصّہ، فرانس کے زیر انتظام دے دیا گیا تھا۔ اور فرانس کی جانب سے جنرل ہنری گورارد Henri Gourard (پیدائش:۱۸۹۰ء : وفات: ۱۹۳۷ء) کو شام کی حکومت کا نگران بنایا گیا تھا۔اُس کے کہے ہوئے الفاظ کو اب یہ کہا جا رہا ہے کہ کہا جاتا ہے یعنی صرف افواہ ہے، حقیقت نہیں اور کہ یہ الفاظ حال ہی میں اس سے منسوب کئے گئے ہیں۔(۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۵ء کے درمیان) اس کے الفاظ یہ تھے:

"The Crusades have ended now! Awake Saladin, we have returned! My presence here consecrates the victory of] the Cross over the Crescent."

صلیبی جنگیں اب ختم ہوگئیں۔اٹھو، صلاح الدین۔ہم واپس آ گئے ہیں۔میری یہاں موجودگی ہلال پر صلیب کی فتح کو متبرک ومقدس بناتی ہے''

۴۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور کو یہاں ایسا محسوس ہوتا ہے کچھ التباس ہوگیا۔مقدس رومی سلطنت کبھی بھی پورے یورپ پر حکم ران نہیں رہی۔صلیبی جنگوں کے شروع ہونے سے پہلے ہی فرانس اور کچھ دیگر علاقے سلطنت سے علیحدہ ہو چکے تھے۔انگلستان کبھی بھی اس سلطنت کا ایک جز نہیں رہا۔اسی طرح روس، بلقان کے بیشتر علاقے اور شمالی یورپ کے مما لک یعنی فن لینڈ، سویڈن، ناروے بھی حصّہ نہیں رہے۔بعد میں اسپین، پرتگال، ہالینڈ، بلجیم وغیرہ بھی علیحدہ ہو گئے تھے۔البتہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ روم میں واقع رومن کیتھولک چرچ کے سربراہ یعنی پوپ کو ایک خاص حیثیت ایک عرصے تک ضرور حاصل رہی کہ اس کا کہا ہوا ہی قانون سمجھا جاتا تھا۔لیکن ان کا یہ اثر ان کے تکبر کی وجہ سے بہ تدریج ختم ہوا۔اس کے بعد سلطنت بنیادی طور پر آسٹر وہنگری کی سلطنت تھی۔روم کسی بھی وقت سیاسی طَور پر مقدس رومی سلطنت کا دارالحکومت نہیں رہا۔صرف پوپ کے وہاں رہنے کی وجہ سے اُسے مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ویسے بھی پورا یورپ کبھی بھی روم کے پوپ کے ماتحت نہیں رہا۔سلطنت روما جب مشرقی اور مغربی دو حصّوں میں تقسیم ہوگئی تو اس کے ساتھ ساتھ رومن کیتھولک چرچ اَور یونانی آرتھوڈوکس چرچ کی تقسیم بھی ہوئی۔پھر روسی آرتھوڈوکس چرچ نے اپنا علیحدہ تشخص قائم کیا، جس کی وجہ سے بیشتر سلاف (روسی) نسل کے لوگ رومن کیتھولک چرچ سے وابستہ نہیں رہے۔اور نہ ہی مقدس رومی سلطنت کا حصہ بنے۔

۵۔ یورپ کا موجودہ کلینڈر جو تقریباً ساری دُنیا میں آج مستعمل ہے۔وہ گائیس یولیس قیصر (جولیس سیزر) (Caius Julius Caeser) نے اپنے دَورِحکومت میں ترتیب دیا تھا۔لیکن پوپ گریگوری ہفتم کے زمانے تک آتے آتے اُس میں اور حقیقت میں کافی فرق پیدا ہو چکا تھا۔یعنی موسم اُن مہینوں میں نہیں آتے تھے جو اُن کے لئے ماضی سے مشہور تھے۔پوپ گریگوری نے اس فرق کو ختم کیا اور ہر چوتھے سال ایک دِن بڑھا کر لیپ کا سال مروج کیا

تھا۔یعنی ہر چوتھے سال میں ۳۶۵ کے بہ جائے ۳۶۶ دِن ہوں گے۔

۶۔اِس عقیدے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قدیم بت پرست رومیوں کی طرح موجودہ پوپ کے القابات میں سے ایک لقب ہے: پروہت اعظم Pontifex Maximus۔قدیم روم میں پروہت اعظم کو اختیار حاصل تھا کہ وہ مذہبی احکامات میں تبدیلی وترمیم وتنسیخ کر سکتا تھا۔

۷۔یہ فیصلہ دوسری وٹیکن کونسل کے چوتھے اجلاس میں منظور ہوا تھا۔ دوسری وٹیکن کونسل پوپ جان (یوحنا) بست وسوم (John XXIII) نے بلائی تھی اور پہلا اجلاس ۱۱۔اکتوبر ۱۹۶۲ء کو ہوا تھا۔اور آخری اجلاس پوپ پال ششم (Paul VI) کی پاپائیت کے دوران ۸۔دسمبر ۱۹۶۵ء کو ہوا تھا۔لاطینی میں اس قرارداد کا عنوان ہے Nostra Aetate۔

۸۔ یہاں بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور،مختصراًبات کرتے ہوئے دو علیحدہ علیحدہ واقعات اور شخصیات کو گڈ مڈ کر گئے۔ ویآنا کا محاصرہ،عثمانی سلطان سلیمان قانونی نے ۱۵۲۹ء میں کیا تھا۔سلطان بایزید یلدرم کا انتقال تو ۱۴۰۲ء میں ہو گیا تھا۔ یہ بات درست ہے کہ امیر تیمور کے حملے کی وجہ سے بایزید یلدرم کو مشرقی یورپ (بلقان) سے واپس آنا پڑا جس کے نتیجے میں بیشتر علاقے عثمانیوں کے قبضے سے نکل گئے اور مزید پیش رفت ایک عرصے تک رُکی رہی۔لیکن یلدرم کے بعد آنے والے حکم رانوں کے دَور میں بلقان کا بیشتر علاقہ عثمانی سلطنت کا حصّہ بنا۔

۹۔ صلیبی جنگوں کے دوران یورپ سے جو جنگجو گئے تھے اُس میں ایک گروہ کو نائٹ ٹمپلرز (Knights Templars) کہا جاتا ہے۔اس گروہ کے نام کے معانی تو صاف ہیں کہ ٹمپل کے جاں باز یا محافظ۔ٹمپل سے مراد وہ عبادت گاہ ہے جو سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کی تھی اور جسے رومیوں نے ۷۰ء میں جلا کر خاک کر دیا تھا اور بیت المقدس کے شہر کو یہودیوں سے خالی کر دیا تھا۔صلیبی جنگوں کے دوران ان جنگ جوؤں نے دو باتیں مسلمانوں سے ضرور سیکھی تھیں۔ایک روزانہ غسل کرنا اور دوسرے تجارت کرنا۔صلیبی جنگوں کے خاتمے کے بعد جب یورپ واپس گئے تو ان کا روزانہ غسل کرنا اور دیگر باتیں باقی لوگوں کے لئے انحراف کا درجہ رکھتی تھیں۔دوسرے تجارت کی وجہ سے اور ساہوکاری کی وجہ سے بہت دولت مند ہو گئے تھے۔ اتنے دولت مند ہو گئے تھے کہ امرا کو تو ایک طرف رکھئے شاہان یورپ بھی ان کے مقروض تھے اور سب سے زیادہ مقروض شاہِ فرانس تھا۔ان کی ساہوکاری اور دولت مندی سے جہاں عیسائی

ان کے مخالف ہور ہے تھے وہاں یہودی ساہوکاروں کو اپنا تسلط ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔اس لئے شاہِ فرانس کے ذریعے پوپ سے ان کے خلاف فرمان حاصل کیا گیا اور ۱۳ اکتوبر ۱۳۰۷ء بہ روز جمعہ ان کو گرفتار کرلیا گیا۔ جمعہ کا دن اور ۱۳ تاریخ اس کے بعد سے منحوس قرار پائی۔گرفتاری کے وقت اس وقت کے نائٹ ٹمپلر کے سربراہ جیکوئس دی مولائے کے ساتھ ساتھ ہر ایک کو گرفتار کرلیا گیا اور بے پناہ تشدد کے بعد ان سے قبول کروایا گیا کہ وہ غلطی پر تھے، عیسائیت سے انکاری ہوگئے تھے وغیرہ وغیرہ۔الزامات تو بہت سارے تھے لیکن ایک الزام یہ تھا کہ نائٹ ٹمپلرز، محمد کا بت پوجتے ہیں۔ پابندی لگ چکی تھی۔ لیکن اس پر معاملہ ختم نہیں ہوا کیوں کہ قرض کی رقوم کی ادئیگی کرنا پڑتی تھی اس لئے جیکوئیس ڈی مولائے اور اس کے نائبین کو دوبارہ گرفتار کرلیا گیا جنھوں نے باصرار یہ کہا کہ ان سے بالجبر بہت کچھ کہلوا گیا یعنی وہ اپنے بیانات سے منحرف ہوگئے تو بالآخر ۱۸ مارچ ۱۳۱۴ء کو جیکوئس ڈی مولائے اور اس کے قریبی ساتھیوں کو پیرس میں زندہ جلا دیا گیا۔نائٹ ٹمپلرز کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ فری میسن تھے۔یا یورپ میں جس طرح فری میسنری (ماسونی تحریک) پھیلی اُس کے بانی بھی وہی تھے۔

۱۰۔ دانتے الیگری۔Dante Alighieri ۱۲۶۵ء تا ۱۳۲۱ء۔اطالوی شہری تھا اور اپنے وقت کا مایہ ناز شاعر تھا۔طربیہ خداوندی کے لئے یہ بات بہت سے لوگ اب وثوق لکھتے ہیں کہ اس کا مرکزی خیال اس نے ابن العربی سے لیا تھا۔اور یقیناً اس کے دَور میں یعنی ۱۳ ویں اور ۱۴ ویں صدی عیسوی میں مسلم اندلس ہی علم وتعلیم کا مشہور تھا جہاں پر یورپ کے دیگر مما لک سے لوگ جا کر تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔

۱۱۔ فرانسواں ماری آ روئے ''والٹیئر'' Francois-Marie Arouet "Voltaire" فرانس کا باشندہ تھا۔شاعر، ادیب، ڈرامہ نگار، فلسفی۔۱۶۹۴ء تا ۱۷۷۸ء۔ شروع میں شاید وہ مذہبی رہا ہوگا لیکن بعد میں اُس کی شہرت ایک ملحد اور لادین شخص کی تھی، جس کی بنیادشاید رومن کیتھولک چرچ کا ظلم تھا۔اس نے یقیناً رسول اللہ ﷺ کے متعلق وہی کچھ لکھا ہے جو غیر مہذب یورپی ایک عرصے سے لکھتے چلے آرہے ہیں۔اس کے اس ڈرامے کا نام ہے :Fanaticism or Mahomet۔فینا ٹک ازم کا لغوی ترجمہ ہے انتہائی درجے کا تعصب، پاگل پن، دیوانگی۔اس کے اِس ڈرامے کی تعریف پوپ بنی ڈکٹ چہاردہم

(Benedict XIV) نے کی ہوگی۔ بنی ڈکٹ چہاردہم ۱۷۴۰ء سے ۱۷۵۸ء تک پوپ رہا تھا۔ بعد میں مزید مطالعے کے بعد کہا جاتا ہے کہ اُس کا رویہ اسلام کے بارے میں اتنا متشدد نہیں رہا تھا۔

۱۲۔ مارٹن لوتھر (Martin Luther) (۱۴۸۳ء تا ۱۵۴۶ء) جرمنی کا باشندہ تھا۔ پادری تھا۔ الٰہیات کا پروفیسر تھا۔ اِصلاح مذہب کے تحت اُس نے پادریوں کو شادی کرنے کا حق دیا۔ سلیمان قانونی نے جس وقت ویآنا کا محاصرہ کیا تھا اُس وقت اُس نے ترکوں سے لڑنے سے منع کیا تھا۔ اسلام کے متعلق اُس کا کہنا یہی تھا کہ یہ نعوذ باللہ شیطانی مذہب ہے۔ آخر عمر میں یہودیوں کا مخالف ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کی مخالفت بھی کی جاتی رہی۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔

۱۳۔ نولدیکے: تھیوڈور نولدیکے Theodore Noldeke جرمنی کا مشہور عالم جو اپنی سامی زبانوں اور علوم میں مہارت کی بنا پر مشہور ہے۔ ۱۸۳۶ء میں ہاربرگ میں پیدا ہوا، دسمبر ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا۔ ۱۸۵۹ء میں فرانس کی اکادمی ادبیات نے اس کی کتاب تاریخ قرآن پر انعام سے نوازا۔ اگلے برس یہ کتاب جرمن زبان میں مزید اضافی مواد کے ساتھ گوٹن جن (جرمنی) سے شائع ہوئی۔ اس کی ایک تصنیف سامی زبانیں اَور تاریخ وتہذیب اسلامی کے نام سے ہے۔ اس کے کچھ مقالات موجودہ دور کے ایک مرتد ابن وراق نے اپنی تالیف میں شائع کئے ہیں۔

۱۴۔ گولڈزیہر: اگناس (ازحاق یہودا) گولڈزیہر۔ Ignac(Yitzhaq Yehuda) Goldziher ہنگری کا یہودی باشندہ۔ (۱۸۵۰ء تا ۱۹۲۱ء)۔ نولدیکے کے ساتھ بڑے مستشرقین میں شمار کیا جاتا ہے۔ ۱۸۷۲ء میں جامعہ الازہر میں تعلیم حاصل کی۔

۱۵۔ جوزف شاخت Joseph Schacht (۱۹۰۲ء تا ۱۹۶۹ء)۔ برٹش جرمن جو اسلامی قانون پر ایک ماہر مستشرق کے طور پر جانا جاتا ہے۔ امریکا کی کولمبیا یونیورسٹی میں قانونِ اسلامی کا پروفیسر تھا۔

۱۶۔ ڈاکٹر صاحب کا اشارہ جرمنی کی مشہور مستشرق این ماری شمل Annemarie Schimmel (۱۹۲۲ء تا ۲۰۰۳ء) کی جانب ہے۔ ڈاکٹر شمل کو ان کی خدمات کے صلے میں حکومت پاکستان کی جانب سے ستارۂ امتیاز اَور ہلالِ امتیاز کے اعزازات سے نوازا گیا

تھا۔ ڈاکٹر شمل کی کتاب کا عنوان ہے : اَور محمد ﷺ اُس کے پیغامبر ہیں And Muhammad Is His Messenger

۱۷۔ ولیم منٹگمری واٹ William Mongomery Watt اسکاٹ لینڈ کا باشندہ (۱۹۰۹ء تا ۲۰۰۶ء)۔ پادری تھا اور ایڈنبرا یونیورسٹی میں عربی اور تعلیمات اسلامی کا پروفیسر تھا۔

۱۸۔ یہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔ المائدہ:۲۴۔ اور یہ یہود کا مشہور جملہ ہے، جو قرآن نے محفوظ کیا ہے۔

۱۹۔ صنعا کی مسجد سے ۱۹۷۲ء میں یہ نسخے دریافت ہوئے تھے۔ جن کی اہمیت کے پیش نظر قاضی اسماعیل الاکواء نے بین الاقوامی طور پر امداد کی درخواست کی تھی جس کے نتیجے میں ۱۹۷۹ء میں ایک جرمن مستشرق کی درخواست پر مغربی جرمنی کی حکومت امداد دینے کے لئے تیار ہوگئی۔ کاربن ٹیسٹ کے ذریعے یہ کہا گیا ہے کہ قرآن پاک کے یہ نسخے ۶۴۵ء تا ۶۹۰ء عیسوی کے درمیان کے ہیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس عرصے کے بعد لکھے گئے ہوں۔ خطاطی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخے ۷۱۰ء تا ۷۱۵ء کے درمیانی عرصے کے ہیں۔ اس منصوبے کا نگران گیرارڈ، آر۔ پوئین Gerard R. Puin ایک جرمن مستشرق تھا۔ فان بوتھمر Von Bothmer نے ۱۹۹۷ء میں ان نسخوں کے تقریباً ۳۵۰۰۰ مائک روفلم حاصل کئے تھے لیکن نتائج شاید ابھی تک شائع نہیں ہوئے ہیں کہ ان کی تحقیقات ابھی تک مکمل نہیں ہوئی ہیں۔

۲۰۔ الاحزاب:۵۰

۲۱۔ سر ولیم میور Sir William Muir گلاسگو، اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا۔ (۱۸۱۹ء تا ۱۹۰۵ء)۔ گلاسگو، ایڈنبرا یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کی پھر ہیلیبری کالج میں داخلہ لیا۔ ۱۸۳۷ء میں بنگال سول سروس میں شامل ہوا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے دَوران محکمہ خفیہ Intelligence Department کا ناظم تھا۔ ۱۸۶۸ء میں شمال مغربی صوبہ جات (یو۔ پی) کا لفٹنٹ۔ گورنر Lt.-Governor مقرر ہوا۔ ۱۸۸۴ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا صدر منتخب ہوا۔ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق اس کی مندرجہ ذیل کتب شائع ہوئی ہیں:

1. A Life of Mahomet and History of Islam to the Era of Hegira

2. The Mameluke or Slave Dynasty of Egypt

3. The Caliphate, its rise, decline and fall.

4.The Apology of Al-Kindi

5.Annals of Early Caliphate.

6. The Sources of Early Islam, A Persian Treatise

7. Two Old faiths. Essays on the Religions of the Hindus and the Mohammedans

8. Mahomet and Islam

9. The Rise and Decline of Islam

10. The Teachings of the Coran

۲۲۔ مکاتیب سرسید

۲۳۔ یونانیوں کے بعد معلوم و مدوِن تاریخ عالم میں جس شہری ریاست کا ذِکر ملتا ہے وہ روم کی شہری ریاست ہے۔ روم کا شہر ۷۵۱ قبل مسیح میں قائم ہوا۔ جب کہ قصی بن کلاب کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔ اس طرح ان کی قائم کردہ مکہ کی شہری ریاست دوسری ریاست ہے۔

۲۴۔ سورۃ القریش

۲۵۔ ڈیوڈ سیموئیل مارگولیتھ David Samuel Margoliouth لندن میں پیدا ہوا: ۱۸۵۸ء تا ۱۹۴۰ء۔ کچھ عرصے بہ طور پادری کے کام کیا۔ پھر آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر رہا۔ اس کا باپ ایزیکیل E z e k i e l یہودی سے عیسائی ہوگیا تھا۔ اس کی تصنیفات یہ ہیں:

1. Mohammed and the Rise of Islam

2. Umayyads 'Abbasids

3. The Early Development of Mohammedanism

ح4. Mohoammedanism

5.The Relations between Arabs and Israelites prior to the Rise of Islam

6. The Lecture on Arabic Historians

7. The Eclipse of the Abbasids Caliphate.

اس کے علاوہ یاقوت الحموی کی ''معجم الادبا'' کو ۷ جلدوں میں مدون کر کے شائع کیا۔اور سمعانی کی کتاب الانساب بھی مدون کر کے شائع کی۔

۲۶۔ سیّد برکات احمد۔ جزائر الغرب الہند میں بھارت کے سفیر رہے۔ ۱۹۸۸ء میں انتقال کر گئے۔ امریکی یونیورسٹی، بیروت سے تاریخ عرب میں ڈگری لی اَور طہران یونیورسٹی سے بھی فارغ التحصیل تھے۔ اِس کتاب کا اُردو میں ترجمہ دہلی سے،، بعدازاں پاکستان سے مکتبہ عالیہ، لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا تھا۔انہوں نے قرآنی رسم الخط پر ایک کتاب لکھی تھی جو لندن سے شائع ہوئی۔اس کے علاوہ برنارڈ لیوس کو ایک کتاب پیش کی گئی تھی اُس میں ان کا مقالہ بہ عنوان ''اسلام سے انحراف'' شائع ہوا تھا۔اور ایک کتاب انڈیا اور فلسطین کے نام سے بھی تحریر کی تھی۔

۲۷۔ اِس کتاب کا پورا نام ہے: Muhammad in Europe: A Thousand Year of Western Myth Making محمد ﷺ یورپ میں: مغرب کی من گھڑتیوں کے ہزار سال۔ کتاب کی مصنفہ Minou Reeves، ایران کی ملکہ پہلوی کی سیکریٹری رہی ہیں۔ آج کل لندن کے ادارۂ لسانیات سے وابستہ ہیں۔

۲۸۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے، وہ ابن وراق کے فرضی نام سے شائع کی گئی ہے۔ وہ اپنے متعلق کہتا ہے کہ میں ایک پاکستانی ہوں اور مرتد ہو چکا ہوں۔ابن الراوندی کے نام سے کسی نے یا خود اس نے اِس کتاب پر تبصرہ لکھا ہوگا۔ کتاب کا نام ہے:

The Origins of the Koran : Classic Essays on Islam's Holy Book.

۲۹۔ برٹرنڈ آرتھر ولیم رسل Bertrand Arthur William Russell (۱۸۷۲ء تا ۱۹۷۰ء)۔ برطانوی طبقہ امرا سے تعلق رکھنے والا فلسفی، ماہر ریاضیات، مؤرخ۔ بہت سی کتابیں کے مصنف ہیں۔ بنیادی طور پر ملحد کے طور پر مشہور رہے۔